# وراثت اور ترکے سے متعلق 46 فتاویٰ جات

- وراثت کے لیے وصیت کرنا کیسا ؟
- ماں باپ کا ایک بیٹے کو مال زیادہ دینا کیسا ؟
- اولاد کو وراثت سے عاق کرنا کیسا ؟

اس کے علاوہ بھی اور بہت سے ۔۔۔

مرتب وطالب العلم : عبدالماجد ظہور
عاصِم عطاری قادری جامعۃ المدینہ
فیضانِ عطار واٹر سپلائی روڈ سرگودھا

# زندگی میں ہی اولاد میں جائیداد تقسیم کرنا

**مجیب:** مولانا نوید چشتی صاحب زیدمجدہ

**مصدق:** مفتی قاسم صاحب مدظلہ العالی

**تاریخ اجراء:** ماہنامہ فیضان مدینہ اپریل 2018

## دَارُالاِفْتَاء اَہلسُنَّت

(دعوت اسلامی)

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں اپنی جائیداد اپنی اولاد میں تقسیم کرنا چاہے تو کیا حکم ہے؟ بیٹوں اور بیٹیوں کو کتنا کتنا حصّہ ملے گا؟ اگر کوئی بعض اولاد کو حصّہ دے بعض کو نہ دے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ نیز اولاد والد سے اس کی زندگی میں اپنے حصے کا زبردستی مطالبہ کرسکتی ہے یا نہیں؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِکِ الۡوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الۡحَقِّ وَالصَّوَابِ

ہر شخص کو اپنے تمام مملوکہ اموال کے بارے میں اپنی زندگی میں اختیار ہوتا ہے، چاہے کل مال خرچ کرڈالے یا کسی کو دے دے، اس کی زندگی میں اس کے مال میں اس کی زوجہ، اولاد یا کسی اور کا بطورِ وراثت کوئی حق نہیں، لہذا اس کا زبردستی مطالبہ بھی اپنے باپ سے نہیں کرسکتے، البتہ اگر کوئی اپنا مال اپنی زندگی میں اولاد میں تقسیم کرے تو بہتر ہے کہ بیٹوں اور بیٹیوں میں سب کو برابر برابر دے کیونکہ بیٹے کو بیٹی کی بنسبت دُگنا وِراثت میں ہوتا ہے اور وراثت مرنے کے بعد ہوتی ہے، البتہ اگر بیٹے کو بیٹی کی بنسبت دگنا دیا تو یہ بھی ناجائز نہیں ہے، اور اگر اولاد میں سے کوئی فضیلت رکھتا ہو مثلاً طالبِ علمِ دین ہو، عالم ہو یا والدین کی خدمت زیادہ کرتا ہو تو اس کو زیادہ دینے میں حرج نہیں اور اولاد یا دیگر حقیقی وُرثاء میں سے بعض کو وِراثت سے محروم کرنے کی نیت ہو تو دوسروں کو دے دینا جائز نہیں۔

وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوۡلُہٗ اَعۡلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

# مالِ وِراثت میں اگر حرام و حلال مکس ہو تو کیا کریں؟

**مجیب:** مفتی قاسم صاحب مدظلہ العالی

**تاریخ اجراء:** ماہنامہ فیضان مدینہ اپریل2018

## دَارُالاِفْتَاءاَہلسُنَّت

(دعوت اسلامی)

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ ایک شخص کا انتقال ہوا، اس کے مالِ وِراثَت میں حلال و حرام مِکس ہے، یعنی سُود اور رشوت وغیرہ کا روپیہ بھی اس میں شامل ہے، کچھ رقم کا تو علم ہے کہ وہ فلاں شخص سے رشوت کے طور پر لی گئی تھی (اور وہ شخص ابھی تک زندہ ہے)، لیکن بقیّہ مال کے بارے میں کچھ علم نہیں کہ کتنا یا کون سا مال حرام ذریعے سے حاصل کیا گیا تھا، اب اس کے بیٹے مالِ وِراثت تقسیم کرنا چاہتے ہیں، براہِ کرم شَرعی رہنمائی فرمائیں کہ بیٹوں کے لئے اِس مالِ وِراثت کے متعلق کیا حکم ہے؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِکِ الۡوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الۡحَقِّ وَ الصَّوَابِ

دریافت کی گئی صورت میں جس مال کے بارے میں علم ہے کہ مورِث (یعنی میّت) نے فلاں شخص سے بطورِ رشوت لیا تھا اور وہ ابھی تک زندہ ہے تو وُرَثاء پر فرض ہے کہ وہ مال اسے واپس کریں، کیونکہ مالِ رشوت کا حکم یہی ہے کہ جس سے لیا ہو اُسے واپس ہی کیا جائے، اور جس مال کا حرام ہونا جداگانہ معیَّن طور پر معلوم ہے کہ یہ والا مال حرام ہی ہے لیکن کس شخص سے لیا وہ معلوم نہیں تو اس مال کو فقراء کو صدقہ کردیں اور جس کے بارے میں علم نہیں کہ کتنا یا کونسا مال حرام کمائی سے ہے بلکہ اِجمالاً صرف اتنا معلوم ہے کہ مالِ وِراثت میں حرام مال بھی شامل ہے تو وُرَثاء کے لئے وہ مال لینا جائز ہے، البتّہ اُس سے بچنا اور صدقہ کر دینا افضل ہے۔

وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہ اَعۡلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

# والدین سے ان کی زندگی میں جائیداد تقسیم کرنے کا مطالبہ کرنا کیسا؟

**مجیب:** مفتی فضیل صاحب مدظلہ العالی

**فتوی نمبر:** Har:3917

**تاریخ اجراء:** 14 جمادی الثانی 1438ھ/14 مارچ 2017ء

## دَارُالْاِفْتَاء اَہْلسُنَّت

(دعوت اسلامی)

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا ایک بیٹا جو کہ مجھے تکلیف دیتا اور میری بے عزتی کرتا ہے۔ اب وہ میری زندگی میں ہی میری جائداد میں اپنے وراثت کے حصہ کا مطالبہ کر رہا ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ اسے مطالبہ کا حق ہے یا نہیں؟

سائل: محمد سلیم انصاری (قائد آباد، لیاقت کالونی، حیدر آباد)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

اپنی زندگی میں ہر آدمی اپنی جائداد کا خود مالک ہوتا ہے جس کی وجہ سے اسے اپنی جائداد میں بیع، ہبہ وغیرہ ہر طرح کے تصرف کا اختیار ہوتا ہے۔ زندگی میں اس کی جائداد میں اولاد یا کسی اور کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ حصہ وراثت میں ہوتا ہے اور وراثت مورث کے مرنے کے وقت یا اس کے بعد ہوتی ہے نہ کہ اس کی زندگی میں۔ لہذا آپ کی زندگی میں آپ کے مذکورہ بیٹے یا اس کے علاوہ کسی اولاد کا حصہ کا مطالبہ کرنا سراسر باطل ہے، آپ پر اس مطالبہ کو ماننا واجب نہیں ہے۔

نیز آپ کا بیٹا اگر واقعی آپ کا ناحق نافرمان بلکہ آپ کو اذیت دیتا ہے تو وہ سخت گناہ گار اور مستحق عذاب نار ہے، اسے چاہیے کہ آپ سے صدق دل سے معافی مانگے، آپ کو راضی کرے اور اللہ تبارک و تعالی کی بارگاہ میں توبہ بھی کرے۔ قرآن مجید فرقان حمید اور رسول کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی احادیث طیبہ میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی سخت تاکید فرمائی گئی ہے۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

# کیا مکان کسی کے نام کردینے سے ہبہ مکمل ہوجاتا ہے؟

**مجیب:** مولانا نور المصطفی صاحب زید مجدہ

**مصدق:** مفتی ھاشم صاحب مدظلہ العالی

**فتوی نمبر:** Lar:6387

**تاریخ اجراء:** 16 جمادی الثانی 1438ھ/16 مارچ 2017ء

## دَارُالاِفْتَاء اَہْلسُنَّت

(دعوت اسلامی)

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ مرحوم دین محمد نے اپنی صحت و حیات میں اپنا ایک قابل تقسیم مکان اپنے دو بیٹوں کے نام کر دیا تھا۔ مگر اس کی اوپر والے حصے کی عارضی سی تقسیم ہوئی تھی، جو باقاعدہ تقسیم نہیں تھی اور وہ خود بھی وہیں رہتے رہے تھے۔ ان کا ایک تیسرا بیٹا بھی تھا جو پہلے گھر سے کہیں چلا گیا تھا۔ مگر اب ان کے فوت ہونے کے کافی عرصہ بعد وہ بھی واپس آگیا ہوا ہے۔ اب اس کے بارے میں وضاحت سے شرعی حکم بیان فرمائیے کہ اس مکان میں اس تیسرے بیٹے کا کوئی حصہ ہوگا یا نہیں، جبکہ قانونی طور پر وہ مکان دو بیٹوں ہی کی ملکیت ہے۔

سائل: عبد الرشید عطاری (شاہدرہ، مرکز الاولیا لاہور)

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

مرحوم دین محمد کا وہ مکان قانونی طور پر دو بیٹوں کے نام لگوانا شرعی طور پر ہبہ (Gift) تھا، اور شریعت کا اصول یہ ہے کہ اگر قابل تقسیم چیز ہبہ کی تو جب تک باقاعدہ (Proper) تقسیم ہو کر اور ہبہ کرنے والے کا تصرف ختم ہو کر مکمل طور پر جسے ہبہ کیا اس کا قبضہ نہ ہو جائے ہبہ تام (یعنی مکمل) نہیں ہوتا، اور ہبہ تام ہونے سے پہلے ہبہ کرنے والے یا جسے ہبہ کیا گیا ان میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو وہ ہبہ باطل ہو جاتا ہے۔ لہذا بیان کی گئی صورت میں جب وہ مکان قابل تقسیم تھا اور اس کی باقاعدہ تقسیم نہیں ہوئی تھی اور ہبہ کرنے والے مرحوم دین محمد خود بھی وہیں رہتے رہے اور اسی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا تو ہبہ تام ہونے سے پہلے ہی باطل ہو گیا۔ لہذا وہ مکان مرحوم کے فوت ہونے کے بعد ان کے ورثا میں شرعی حصوں کے مطابق تقسیم ہوگا، جس میں اس تیسرے بیٹے کا حصہ بھی لازمی ہے۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

# غیر مسلم اولاد مسلمان والدین کی وارث بن سکتی ہے یا نہیں؟

**مجیب:** مفتی قاسم صاحب مدظلہ العالی

**فتوی نمبر:** Sar:5256

**تاریخ اجراء:** 23صفر المظفر1438ھ/24نومبر2016ء

## دَارُالاِفْتَاء اَہلسُنَّت

(دعوت اسلامی)

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غیر مسلم اولاد مسلمان والدین کی وارث بن سکتی ہے یا نہیں؟

سائل: یاسر شہزاد (فیصل آباد)

بِسۡمِ اللہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِکِ الۡوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الۡحَقِّ وَالصَّوَابِ

غیر مسلم اولاد مسلمان والدین کی وارث نہیں بن سکتی

وَاللہُ اَعۡلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوۡلُہ اَعۡلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

# میت کے ترکے سے تیجے، چالیسویں کا کھانا کھلانا کیسا؟

**مجیب:** مفتی قاسم صاحب مدظلہ العالی

**فتوی نمبر:** Aqs:860

**تاریخ اجراء:** 22محرم الحرام1438ھ/24اکتوبر2016ء

## دَارُالاِفْتَاء اَہلسُنَّت

(دعوت اسلامی)

## سوال

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ میت کے ترکے میں سے اسی کے تیجے، چالیسویں وغیرہ کے لیے کھانا بنا کر عزیز واحباب جن میں میت کے رشتے والے بھی ہوتے ہیں، اور دوسرے بھی، ان کو کھلایا جاسکتا ہے؟

سائل: شعیب اقبال (ریگل، صدر، کراچی)

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

پہلی بات تو یہ ذہن میں رکھیں کہ جو کھانا دعوت میت کے طور پر ہو وہ مطلقا ناجائز ہے، ایسا کھانا صرف فقراء کے لئے بنایا جائے، اب نفس مسئلہ کے حوالے سے جواب یہ ہے کہ کسی کے فوت ہونے پر اس کے ترکے میں وارثوں کا حق ہوتا ہے اور شرعاً وہی اس کے مالک کہلاتے ہیں، اس لیے اگر اس کے تمام وارث بالغ ہیں تو ان سب کی اجازت سے ترکے میں سے تیجے خواہ چالیسویں وغیرہ کسی بھی ایصال ثواب کے موقعے پر کھانا بنایا جاسکتا ہے۔اور اگر وارثوں میں نابالغ بچے بھی ہیں تو ترکے میں سے کسی بھی موقعے پر کھانا نہیں بنا سکتے اگرچہ وہ نابالغ اجازت بھی دے دیں کیونکہ ان کی اجازت شرعا معتبر نہیں ہے، اسی طرح کوئی بالغ وارث وہاں موجود نہ ہو، نہ اس سے فون وغیرہ کے ذریعے اجازت لی گئی ہو تو بھی ترکے میں سے کھانا نہیں بنا سکتے۔

البتہ اگر کوئی بالغ وارث اپنے حصے میں سے کھانا بنوانا چاہے کہ وہ فقرا کو کھلایا جائے تو یہ بہت اچھا کام ہے۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

# وراثت میں حصہ شریعت کے حساب سے ہوگا یا مورث کی وصیت کے حساب سے

**مجیب:** ابوالحسن جمیل احمد غوری العطاری

**فتوی نمبر:** Web-356

**تاریخ اجراء:** 04ذوالحجۃ الحرام1443ھ /04جولائی2022ء

## دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

## سوال

ہم دو بھائی اور دو بہنیں ہیں والد صاحب نے وصیت کی تھی کہ جائیداد میں ہم دونوں بھائیوں اور دونوں بہنوں کا حصہ برابر ہو گا، والد صاحب کے انتقال کے بعد بھائی کہتے ہیں کہ حصہ شریعت کے حساب سے ہو گا، جبکہ بہنوں کا کہنا کہ حصہ وصیت کے مطابق ہی ہو گا، اس صورت میں ہمارے لئے کیا حکم ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

وراثت میں شریعت کی طرف سے میت کے بیٹے بیٹیوں کا ایک مخصوص حصہ مقرر ہے اور وارث کے لئے وصیت باطل ہے۔ لہذا میت کا اس طرح وصیت کرنا کہ وراثت میں بیٹے بیٹیوں کا برابر حصہ ہو گا، یہ وصیت شرعاً درست نہیں، بلکہ شریعت کے مطابق بیٹے کو بیٹی سے دوگنا (ڈبل) حصہ ملے گا۔

اولاد کے حصے کے بارے میں فرمان باری تعالیٰ ہے: ”لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ“ ترجمۂ کنز الایمان: بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں برابر ہے۔ (پارہ:4، سورۃ النساء، آیت 11)

سننِ ابن ماجہ شریف میں حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم کو حجۃ الوداع کے موقع پر یہ فرماتے ہوئے سنا: ”ان اللہ قد اعطی کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لوارث“ یعنی اللہ تعالیٰ نے ورثاء میں سے ہر ایک حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے (یعنی اس کا شرعی حصہ مقرر فرمادیا ہے) تو اب کسی وارث کے لئے وصیت نہیں ہو سکتی۔ (سنن ابن ماجہ شریف، صفحہ 195، مطبوعہ کراچی)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

# لے پالک بچہ کس کی وراثت کا حقدار بنے گا؟

**فتوی نمبر:** WAT-164

**تاریخ اجراء:** 09ربیع الاول1443ھ /16اکتوبر2021ء

## دار الافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

## سوال

ہمارے والد صاحب کا انتقال ہو گیا ہے، ہم چار بھائی ہیں، ہمارا ایک پانچواں بھائی بھی ہے، لیکن جب وہ پیدا ہوا تھا، تو پہلے دن ہی والد نے اسے اپنے بڑے بھائی کو دیدیا تھا، تو کیا والد صاحب کی جائیداد میں اس کا حصہ بھی بنتا ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

آپ کا پانچواں بھائی بھی آپ کے والد کی وراثت میں حصہ دار ہو گا، کیونکہ کسی کو اپنی اولاد دیدنے یا کاغذات وغیرہ میں کسی اور کی طرف منسوب کر دینے سے حقیقت میں وہ اس کی اولاد نہیں بن جاتی، بلکہ اس کا نسب اصل والد سے ہی چلتا ہے، لہذا وراثت کے معاملے میں بھی وہ اپنے حقیقی والد کا ہی وراث ہو گا۔

نیز یہ بھی یاد رہے کہ آپ کا بھائی فقط لے پالک ہونے کی وجہ سے اپنے تایا کی وراثت میں حصہ دار نہیں کہلائے گا۔ ہاں! اگر بھتیجے ہونے کی حیثیت سے وراثت میں شرعی طور پر حصہ بنتا ہو، تو وہ جدا بات ہے۔ فقط کاغذی کاروائی میں بیٹا لکھوا لینے سے وہ اپنے تایا کا حقیقی بیٹا نہیں ہو جائے گا اور نہ ہی حقیقی بیٹا ہونے کی حیثیت سے وراثت کا حقدار ہو گا۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

# جسے سونا گفٹ کیا، اس کے انتقال کے بعد سونا واپس لینا

**فتوی نمبر:**WAT-110

**تاریخ اجراء:**19 صفر المظفر 1443ھ /27 ستمبر 2021ء

## دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

## سوال

ہندہ کی ماں نے ہندہ کی شادی کے وقت اس کی ساس اور سسر کے لئے تحفہ میں سونا بھیجا تھا، جس پر ان دونوں نے قبضہ بھی کر لیا تھا، اب ہندہ کی ساس اور سسر انتقال کر گئے ہیں، تو ہندہ کی ماں یہ چاہتی ہے کہ میں نے ان کو جو تحفہ دیا تھا اب وہ اس دنیا میں نہیں ہیں تو میرا تحفہ مجھے واپس کر دیا جائے تو کیا ایسا تحفہ واپس لیا جا سکتا ہے؟

بِسۡمِ اللہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِکِ الۡوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الۡحَقِّ وَالصَّوَابِ

ہندہ کی ماں وہ تحفہ واپس نہیں لے سکتی کہ کسی کو تحفہ دینا ہبہ ہوتا ہے اور ہبہ کی صورت میں فریقین میں سے کسی کے مرنے کے بعد وہ لازم ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے واپسی کا مطالبہ نہیں ہو سکتا۔ اور اب سونا ان کے ترکہ میں شمار ہوگا۔

وَاللہُ اَعۡلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوۡلُہ اَعۡلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

# وارث کے لیے وصیت کا حکم

**مجیب:** محمد عرفان مدنی عطاری

**فتوی نمبر:** WAT-39

**تاریخ اجراء:** 28 محرم الحرام 1443ھ/06 ستمبر 2021ء

## دار الافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

## سوال

کیا یہ وصیت کر سکتے ہیں کہ میری یہ چیز میرے مرنے کے بعد میرے فلاں بچے کی ہے تو کیا اسی کے مطابق عمل ہو گا؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

حدیث پاک کی رُو سے وارث کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں ہے، اور چونکہ بیٹا وارث ہوتا ہے، لہذا اس کے لئے وصیت نہیں کر سکتے اور اگر کسی بیٹے کے لئے وصیت کی اور فوت ہو گیا تو اگر تمام عاقل بالغ ورثاء اپنی حالتِ صحت میں اس وصیت پر عمل کرنے کی اجازت دے دیں، تو اس پر عمل کیا جا سکتا ہے اور اگر بعض ورثاء اجازت دیں اور بعض اجازت نہ دیں تو اجازت دینے والوں کے حصوں میں وصیت پر عمل ہو گا اور جو راضی نہ ہو یا جو وارث اجازت دینے کا اہل نہ ہو مثلا نابالغ یا مجنون ہو تو اس کے حصے میں وصیت پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

# اولاد نہ ہو تو بیوی کی وراثت میں سے شوہر کا کتنا حصہ ہے؟

**مجیب:** ابو حفص مولانا محمد عرفان عطاری مدنی

**فتوی نمبر:** WAT-1843

**تاریخ اجراء:** 22 ذوالحجۃ الحرام 1444ھ / 11 جولائی 2023ء

## دار الافتاء اہلسنت
(دعوت اسلامی)

## سوال

میری بہن کا انتقال ہو گیا ہے، ان کی اولاد نہیں ہے، ان کے پاس سات تولہ سونا ہے اور جہیز کا سامان بھی ہے، اب شوہر کو ہر چیز میں سے آدھا حصہ ملے گا، یعنی سونے میں سے بھی اور جہیز میں سے بھی؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

پوچھی گئی صورت میں آپ کی بہن (کے ذمے اگر قرض ہے تو اس کی ادائیگی کے بعد جو مال بچ جائے اس کی ایک تہائی میں سے جائز وصیت اگر کی ہو تو اس کی ادائیگی کے بعد، بہن) کا جو مال بچے اس پورے میں سے شوہر کا آدھا حصہ ہو گا، چاہے وہ زیور کی صورت میں ہو یا سامان کی صورت میں، سسرال والوں کی طرف سے اسے مالک بنایا گیا ہو یا پھر وہ اپنے والدین کی طرف سے لے کر آئی ہو، شوہر بچے ہوئے سارے مال میں سے نصف حصہ پائے گا اور بقیہ وراثت دیگر ورثاء میں تقسیم ہو گی۔

شوہر کے حصہ کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ﴾ ترجمہ: اور تمہاری بیبیاں جو چھوڑ جائیں اس میں سے تمہیں آدھا ہے اگر ان کی اولاد نہ ہو پھر اگر ان کی اولاد ہو تو اُن کے ترکہ میں سے تمہیں چوتھائی ہے جو وصیت وہ کر گئیں اور دَین نکال کر۔ (پارہ 4، سورۃ النساء، آیت 12)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُه اَعْلَم صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

# مرحوم کی انشورنس کی رقم کا مالک کون ہوگا؟

**مجیب:** مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مَدَنی

**تاریخ اجراء:** ماہنامہ فیضانِ مدینہ جولائی 2023ء

## دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے ایک عزیز کا انتقال ہو گیا ہے انہوں نے انشورنس بھی کروائی ہوئی تھی، اس کے تقریباً چالیس لاکھ روپے ملے ہیں۔ یہ بتائیں کہ انشورنس کی رقم بھی تمام ورثاء میں تقسیم ہوگی یا جس وارث کو کمپنی میں کلیم کرنے کے لئے مرحوم نے نامزد کیا تھا، وہ رقم صرف اسی کی ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

انشورنس کمپنی سے ملنے والی رقم دو طرح کی ہوتی ہے، ایک رقم وہ ہوتی ہے جو پالیسی ہولڈر نے جمع کروائی ہوتی ہے اور ایک رقم وہ ہوتی ہے جو کمپنی اپنی طرف سے اضافی دیتی ہے جو کہ سود ہوتی ہے۔ وہ رقم جو سود ہے، اس کے بارے میں حکم شرعی یہ ہے کہ وہ بغیر ثواب کی نیت کے کسی شرعی فقیر کو دے دیں اور وہ رقم جو مرحوم نے جمع کروائی تھی، وہ تمام ورثاء میں شرعی طریقہ کار کے مطابق تقسیم ہوگی صرف نامزد کردہ وارث کو نہیں ملے گی کیونکہ انشورنس کمپنی میں نامزد کروانے کا مقصد مالک بنانا نہیں ہوتا بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ پالیسی ہولڈر اگر انتقال کر جائے تو نامزد کردہ شخص کو کلیم کرنے کا حق ہوگا تاکہ وہ کلیم کرکے کمپنی سے رقم وصول کرے اور مرحوم کے اصل وارثوں تک وہ رقم پہنچائے، جب مقصد مالک بنانا نہیں ہوتا تو پھر نامزد کردہ شخص مالک بھی نہیں بنے گا اور یہ رقم تمام ورثاء میں شرعی حصوں کے مطابق تقسیم ہوگی۔

بغیر تملیک کے ملکیت کسی دوسرے شخص کی طرف منتقل نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ردالمحتار میں ہے: "ان ملك الانسان لا ینقل الی الغیر بدون تملیکه" یعنی کسی انسان کی مملوکہ شے بغیر تملیک کے کسی دوسرے شخص کی ملکیت میں داخل نہیں ہوتی۔ (ردالمحتار، 8/569 ملخصاً)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

# ماں باپ کی وراثت میں لڑکی کا کتنا حصہ ہوگا؟

**مجیب:** ابو احمد محمد انس رضا عطاری مدنی

**فتوی نمبر:** WAT-1657

**تاریخ اجراء:** 28 شوال المکرم 1444ھ/19 مئی 2023ء

## دار الافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

## سوال

باپ کے ترکہ میں سے اور ماں کے ترکہ میں سے لڑکی کا حصہ کتنا ہے؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِکِ الۡوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الۡحَقِّ وَ الصَّوَابِ

اگر مرنے والے مرد و عورت کا بیٹا کوئی نہ ہو، صرف بیٹی ہو اور وہ بھی ایک ہی ہو تو اس کے چھوڑے ہوئے مال میں سے بیٹی کو آدھا ملتا ہے۔ اور اگر بیٹا کوئی نہ ہو اور بیٹیاں ایک سے زائد ہوں، تو سب بیٹیوں کے درمیان چھوڑے ہوئے مال کا دو تہائی حصہ تقسیم ہوتا ہے۔

اور اگر کوئی بیٹا بھی ہو تو بیٹی ایک ہو یا ایک سے زائد، اس صورت میں بیٹیاں عصبہ بن جائیں گی اور ان کے درمیان مال اس طرح تقسیم ہوگا کہ بیٹے کو بہ نسبت بیٹی کے دوگنا دیا جائے گا۔ قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے: ﴿یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ ٭ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ ۚ فَاِنۡ کُنَّ نِسَآءً فَوۡقَ اثۡنَتَیۡنِ فَلَھُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَکَ ۚ وَ اِنۡ کَانَتۡ وَاحِدَۃً فَلَھَا النِّصۡفُ ؕ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں برابر، پھر اگر نری لڑکیاں ہوں اگرچہ دو سے اوپر تو ان کو ترکہ کی دو تہائی اور اگر ایک لڑکی تو اس کا آدھا ۔(پ04، سورۃ النسآء، آیت 11)

وَاللہُ اَعۡلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوۡلُہٗ اَعۡلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

# کیا مرحوم کا قرض ادا کرنے والا ترکے سے رقم لے سکتا ہے؟

**مجیب:** مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مدنی

**تاریخ اجراء:** ماہنامہ فیضانِ مدینہ مارچ 2023ء

## دار الافتاء اہلسنت
(دعوت اسلامی)

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر مرنے والے پر کچھ قرضہ ہو اور کوئی وارث اپنے ذاتی مال سے اس کا قرضہ ادا کر دے تو کیا وہ ترکے سے یہ رقم وصول کر سکتا ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَہَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

اگر کوئی وارث اپنے مال سے میت کا قرض ادا کر دے اور قرض ادا کرتے وقت اس نے یہ نہ کہا ہو کہ میں یہ قرض، تبرعاً ادا کر رہا ہوں یعنی واپس نہیں لوں گا اس طرح کے الفاظ نہ بولے ہوں تو اس نے قرض کی ادائیگی میں جتنی رقم دی ہے وہ رقم میت کے ترکے سے وصول کر سکتا ہے۔

سیدی اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: قرضِ مورث کہ بکر پسر بالغ (Adult) نے ادا کیا تمام و کمال ترکہ مورث سے مجرا پائے گا جبکہ وقتِ ادا تصریح نہ کر دی ہو کہ مجرا نہ لوں گا۔ (فتاویٰ رضویہ، 385/25)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

# وراثت میں کیا کیا چیزیں شامل ہوتی ہیں؟

**مجیب:** سید مسعود علی عطاری مدنی

**فتوی نمبر:** Web-805

**تاریخ اجراء:** 04 جمادی الثانی 1444ھ/28 دسمبر 2022ء

## دار الافتاء اہلسنت
(دعوت اسلامی)

## سوال

مرحوم نے مال وراثت میں ایک مکان چھوڑا مکان میں موجود استعمال کا تمام سامان (فریج، پنکھے، استعمال کے برتن، الماریاں وغیرہ) بھی مرحوم کی ملکیت تھا، تو کیا یہ سب چیزیں بھی وراثت میں تقسیم ہوں گی اور کس طرح تقسیم ہوں گی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جو مال مرحوم نے اپنے انتقال کے وقت چھوڑا اور اس میں کسی دوسرے کا حق نہیں وہ تمام مال خواہ مکان ہو، دکان ہو یا اور کوئی سامان، مرحوم کے ترکے میں شامل ہے اور ان کے ورثاء کا حق ہے، ان ہی میں تقسیم ہوگا، تقسیم کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس تمام مال کو بیچ کر ہر وارث کو اس کے حصے کے مطابق دے دیا جائے۔ دوسرا طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ اگر تمام ہی ورثاء بالغ ہیں تو اشیاء آپس میں تقسیم کرلیں اگرچہ کوئی کم لینے پر راضی ہو تو بھی درست ہوگا، لیکن کوئی ایک بھی وارث نابالغ ہوا، تو اس کے حصے سے کم اس کو نہیں دے سکتے، اگرچہ وہ کم لینے پر راضی ہو۔

ردالمحتار میں ہے: "ان الترکۃ فی الاصطلاح ما ترکہ المیت من الاموال صافیا عن تعلق حق الغیر" ترکہ اصطلاح میں اس مال کو کہا جاتا ہے جو مرنے والا دوسرے کے حق سے خالی چھوڑ کر مر جائے۔ (ردالمحتار، جلد 10، صفحہ 528، مطبوعہ: کوئٹہ)

فتاوی خلیلیہ میں ہے: "آدمی اپنی زندگی میں اپنے مال کا مالک ہوتا ہے، اور آنکھ بند ہوئی تو اس کے تمام مالِ متروکہ (جائیدادِ منقولہ و غیر منقولہ، اسبابِ خانہ داری ہو یا مالِ تجارت) سے اس کے وارثوں کا حق متعلق ہو جاتا ہے، ورثہ خواہ بالغ ہوں یا نابالغ، شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ، لڑکے ہوں یا لڑکیاں۔" (فتاوی خلیلیہ، جلد 3، صفحہ 432، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، کراچی)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

# ماں باپ کا ایک بیٹے کو مال زیادہ دینا کیسا ہے؟

**مجیب:** ابو حذیفہ محمد شفیق عطاری

**فتوی نمبر:** WAT-1009

**تاریخ اجراء:** 25 محرم الحرام 1444ھ /24 اگست 2022ء

## دار الافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

## سوال

ماں باپ اگر اپنے دو بیٹوں میں سے ایک کو زیادہ زیادہ دیں اور یوں کہیں کہ اس بیٹے نے ہمیں زیادہ رکھا ہے، تو کیا یہ جائز ہے؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِكِ الۡوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الۡحَقِّ وَالصَّوَابِ

اگر ایک بیٹے کو اس لیے زیادہ دے رہے ہیں کہ اس نے زیادہ خدمت کی، ہمیں اپنے پاس رکھا، لیکن دوسرے بیٹے کو محروم کرنے کی نیت نہیں ہے تو خدمتگار بیٹے کو زیادہ دینے میں حرج نہیں۔

زندگی میں اپنی اولاد کو کچھ دینے کے مسئلے کی تفصیل یہ ہے کہ زندگی میں ہر شخص اپنے مال میں تصرف کرنے کا خود مختار ہوتا ہے اور اس کی زندگی میں کسی دوسرے کا اس کے مال کے ساتھ حق متعلق نہیں ہوتا۔ البتہ اگر کوئی شخص اپنی مرضی سے ورثاء میں اپنا مال اپنی زندگی میں ہی تقسیم کرنا چاہے، تو کر سکتا ہے، جس کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ بیٹوں اور بیٹیوں کو برابر، برابر حصہ دیں اور اگر مستقبل میں ان افراد کے وارث بننے کے بعد ملنے والے حصے کے اعتبار سے بیٹے کو بیٹی سے دُگنا دیں، تو یہ بھی جائز ہے۔ نیز اگر اولاد میں سے کسی میں دینی فضیلت پائی جائے مثلاً کوئی دین کا طالبِ علم یا زیادہ خدمت گار یا زیادہ نیک ہے، تو اسے زیادہ دینے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ البتہ بلا عذرِ شرعی کسی وارث کو محروم کر کے دوسرے کو سارا مال دے دینا، جائز نہیں کہ اس طرح اگرچہ وہ مالک تو ہو جائے گا، لیکن ایسا کرنا، ناجائز و گناہ ہے۔

وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوۡلُہٗ اَعۡلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

# گود لیے بچے کی وراثت کے احکام

**مجیب:** عبدہ المذنب محمد نوید چشتی عفی عنہ

**فتوی نمبر:** WAT-932

**تاریخ اجراء:** 30 ذوالحجۃ الحرام 1443ھ /30 جولائی 2022ء

## دار الافتاء اہلسنت
(دعوت اسلامی)

## سوال

گود لئے بچے کی وراثت کے کیا احکام ہیں؟

بِسۡمِ اللہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

کسی بچے کو گود لینے سے حقیقت نہیں بدلتی اور لے پالک بچہ یا بچی بدستور اپنے باپ کی ہی اولاد رہتے ہیں، گود لینے والے کی اولاد نہیں ہو جاتے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں وہ لے پالک بچہ گود لینے کی وجہ سے پرورش کرنے والے کا وارث نہیں بنے گا، بلکہ اپنے حقیقی باپ کے انتقال کے وقت زندہ ہونے اور موانعِ ارث (وراثت سے محروم کرنے والے اسباب) نہ پائے جانے کی صورت میں اپنے حقیقی باپ کا وارث ہو گا۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

# گردہ Donate کرنے کی وصیت کرنا کیسا؟

**مجیب:** مفتی فضیل رضا عطاری

**تاریخ اجراء:** ماہنامہ فیضان مدینہ جون 2024ء

## دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس بارے میں کہ اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں یہ وصیت کر جائے کہ میرے گردے عطیہ کر دینا، تو اس کا یہ وصیت کرنا کیسا ہے؟ اور اگر کسی نے وصیت نہ کی ہو، بغیر وصیت ہی اس مرحوم کے ورثاء اس کے مرنے کے بعد اس کے جسمانی اعضاء میں سے کوئی عضو مثلاً آنکھ یا گردے کسی کو عطیہ کر دیں تو ان کا ایسا کرنا کیسا ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

اولاً یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ وصیت اسی شے کے بارے میں کی جاسکتی ہے جس کا انسان خود مالک ہو اور وہ شے قابلِ تملیک بھی ہو (یعنی کسی اور کو اس کا مالک بنایا جاسکتا ہو) اور انسانی اعضاء نہ تو مال ہیں اور نہ ہی ملکیت کا محل ہیں، لہٰذا کسی اور کو ان اعضاء کا مالک بھی نہیں بنایا جاسکتا۔ نیز انسان اپنی زندگی میں اور موت کے بعد بھی اپنے تمام اجزاء کے ساتھ قابل احترام ہے، لہٰذا اس کے کسی عضو کو نکال کر اسے استعمال میں لانا اور اس سے کسی بھی طرح کا نفع اٹھانا ناجائز و حرام ہے۔

لہٰذا اگر کسی شخص نے اپنی زندگی میں یہ وصیت کی کہ موت کے بعد اس کا گردہ یا اس کے جسمانی اعضاء میں سے کوئی عضو عطیہ کر دیا جائے، تو اس کا یہ وصیت کرنا اور ورثاء کے لئے اس وصیت کو نافذ کرنا شرعاً ناجائز ہے، اگر ورثاء نے یہ وصیت نافذ کی یا بغیر وصیت کے خود ہی اس کے اعضاء کسی کو عطیہ کر دیئے تو وہ سخت گنہگار ہوں گے۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

# میت کا سامان (کپڑے یا چشمہ وغیرہ) ورثا کی اجازت سے کسی کو دینا

**مجیب:** مولانا محمد ماجد رضا عطاری مدنی

**فتوی نمبر:** Web-1488

**تاریخ اجراء:** 23 شعبان المعظم 1445ھ / 05 مارچ 2024ء

## دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

## سوال

میت کا سامان مثلاً کپڑے یا چشمہ وغیرہ، اگر وارثین اجازت دے دیں کہ یہ کسی کو دے دیا جائے، تو کیا دے سکتے ہیں؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

میت کا معمولی سامان بھی شرعاً ترکہ ہے اور ورثاء کی ملکیت ہے لہٰذا اگر تمام ورثاء عاقل و بالغ ہیں اور سب اس بات پر رضامند ہیں کہ ترکہ کی مخصوص چیز کسی کو دے دی جائے تو یہ جائز ہے اور اگر کوئی وارث عاقل و بالغ نہیں تو پھر اس کے حصے سے کوئی چیز کسی کو ہبہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہاں عاقل و بالغ ورثاء اپنے حصے میں سے کچھ دینا چاہیں تو اس کا انہیں اختیار ہے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُه اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

# نابالغہ بچی کی وراثت میں صرف والدین کا حق ہے یا سگے بہن بھائی کا بھی؟

**مجیب:** مولانا جمیل احمد غوری عطاری مدنی

**فتوی نمبر:** Web-1431

**تاریخ اجراء:** 11رجب المرجب1445ھ/23جنوری2024ء

## دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

## سوال

میری گیارہ ماہ کی بیٹی کا انتقال ہو گیا، اس کی ایک سگی بہن اور ایک سگا بھائی ہے، اور ہم ماں باپ بھی دونوں ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ اس کی کچھ رقم اس کی والدہ کے پاس موجود ہے، جو مختلف مواقع پر لوگوں نے اسے دی تھی، اس رقم پر اس کے سگے بہن بھائیوں کا بھی حق ہو گا یا صرف ہم والدین میں تقسیم ہو گی؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِکِ الۡوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الۡحَقِّ وَ الصَّوَابِ

اللہ پاک آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے اور اس بچی کو آپ کے لیے ذریعۂ نجات بنائے۔ آمین۔

پوچھی گئی صورت میں بچی کی ملکیت کی ہر چیز اس کے ورثاء یعنی والدین میں شرعی حصوں کے مطابق تقسیم ہو گی جبکہ بہن بھائی کا اس کے ترکے میں کوئی حق نہیں کیونکہ باپ کی موجودگی میں سگے بہن بھائی محروم ہو جاتے ہیں۔

بہارِ شریعت میں ہے: "حقیقی بھائی بہن ہوں یا باپ شریک، سب کے سب بیٹے یا پوتے (نیچے تک) اور باپ کے ہوتے ہوئے بالاتفاق محروم رہتے ہیں۔" (بہار شریعت، جلد3، صفحہ1126، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

وَاللہُ اَعۡلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوۡلُہ اَعۡلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

# فوت شدہ نابالغ بچے کی چیزوں کا حکم

**مجیب:** مولانا جمیل احمد غوری عطاری مدنی

**فتوی نمبر:** Web-1297

**تاریخ اجراء:** 29 جمادی الاول 1445ھ / 14 دسمبر 2023ء

## دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

## سوال

فوت شدہ نابالغ بچے کی چیزوں کا کیا حکم ہے جبکہ اس کے ماں باپ دونوں حیات ہیں؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِکِ الۡوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الۡحَقِّ وَ الصَّوَابِ

جو بچے فوت ہو جائیں ان کی ملکیت میں موجود چیزیں ترکہ بن جائیں گی اور وہ ان کے ورثاء میں شرعی حصوں کے مطابق تقسیم ہو گی۔ اور ماں باپ دونوں زندہ ہوں تو یہی دونوں وارث ہوں گے۔ تین حصے کریں گے ایک حصہ ماں کا اور دو حصے والد کے ہوں گے۔

وَاللہُ اَعۡلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوۡلُہ اَعۡلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

# نکاح کے بعد رخصتی سے پہلے شوہر کا انتقال ہو جائے تو بیوی شوہر کی میراث پائے گی؟

**مجیب:** مولانا سید مسعود علی عطاری مدنی

**فتوی نمبر:** Web-1055

**تاریخ اجراء:** 18 محرم الحرام 1445ھ / 08 اگست 2023ء

## دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

## سوال

کسی عورت کا نکاح ہوا لیکن رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ شوہر وفات پا گیا اور اس کے بعد عورت کا دوسری جگہ نکاح بھی ہو گیا، تو کیا اب یہ عورت اپنے پہلے شوہر کی میراث پائے گی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جو عورت شوہر کے انتقال کے وقت اس کے نکاح میں ہو وہ اپنے شوہر کی وارث ہے اگرچہ رخصتی نہ ہوئی ہو، عورت دوسری شادی کرلے جب بھی اس کا حقِ وراثت باقی رہتا ہے، ختم نہیں ہو جاتا۔ ہمارے ہاں دوسری شادی کر لینے کی وجہ سے بیوہ کو اس کا حصہ نہیں دیا جاتا، یہ حکمِ الٰہی کی صریح خلاف ورزی اور ناجائز و حرام ہے اور اس سے بچنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ”زید کی بی بی بھی زید کی وارث ہے علاوہ مہر کے اپنا آٹھواں حصہ پائے گی۔ **نکاح کرنے کی وجہ سے ترکہ سے محروم نہ ہو گی۔**“ (فتاوی امجدیہ، جلد3، صفحہ356، مکتبہ رضویہ، کراچی)

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”خاوند کی موت کے بعد بیوی کے لئے میراث و عدت بہر حال لازم ہے خلوت ہوئی ہو یا نہیں۔“ (تفسیرِ نعیمی، جلد4، صفحہ518، نعیمی کتب خانہ گجرات)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

# بیوی کی وفات کے بعد اس کے جہیز کا مالک شوہر ہوگا یا نہیں؟

**مجیب:** مولانا جمیل احمد غوری عطاری مدنی

**فتوی نمبر:** Web-990

**تاریخ اجراء:** 28ذوالحجۃ الحرام1444ھ/17جولائی2023ء

## دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

## سوال

ایک شخص کی بیوی انتقال کر گئی اور اس کی کوئی اولاد بھی نہیں، آیا کہ اس عورت کا جہیز واپس عورت کے والدین کو پہنچایا جائے گا یا شوہر ہی پورے جہیز کا مالک ہو گا؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

عورت کے انتقال کے بعد جہیز سمیت اس کی ملکیت میں موجود تمام سامان اس کا ترکہ بنے گا اور اس میں شوہر سمیت دیگر تمام ورثاء اپنے اپنے شرعی حصوں کے مطابق حق دار ہوں گے، مکمل جہیز پر صرف شوہر کا حق نہیں ہے بلکہ مرحومہ عورت کے ہاں اولاد نہ ہونے کی صورت میں شوہر نصف ترکے میں حقدار ہو گا۔

امامِ اہلسنت شاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "جو کچھ زیور، کپڑا، برتن وغیرہ عورت کو جہیز میں ملا تھا ،اس کی مالک خاص عورت ہے۔" (فتاوی رضویہ، جلد12، صفحہ256، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

امامِ اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: "جہیز ہمارے بلاد کے عرف عام شائع سے خاص ملک زوجہ ہوتا ہے، جس میں شوہر کا کچھ حق نہیں، طلاق ہوئی تو کل لے گئی، اور مر گئی تو اسی کے ورثاء پر تقسیم ہو گا۔ ردالمحتار میں ہے: کل احد یعلم ان الجھاز للمرأۃ وانہ اذا طلقھا تاخذہ کلہ واذا ماتت یورث عنھا یعنی ہر شخص جانتا ہے کہ جہیز عورت کی ملکیت ہوتا ہے، جب شوہر اس کو طلاق دے دے، تو وہ تمام جہیز لے لے گی اور جب عورت مر جائے، تو اس میں وراثت جاری ہو گی۔" (فتاوی رضویہ، جلد12، صفحہ203، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

# زندگی میں جائیداد تقسیم کا طریقہ

**مجیب:** مفتی محمد قاسم عطاری

**فتوی نمبر:** Pin-6938

**تاریخ اجراء:** 26 شعبان المعظم 1443ھ 31 مارچ 2022ء

## دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ اگر کوئی اپنی زندگی کے اندر ہی اپنی جائیداد اپنے بیٹے بیٹیوں میں تقسیم کرنا چاہتا ہو، تو اس حوالے سے شرعی رہنمائی فرمائیں کہ کیا طریقہ کار ہوگا؟

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

ہر شخص کو اپنے تمام مملوکہ اموال (وہ تمام مال کہ جس کا وہ مالک ہے) کے بارے میں اپنی زندگی میں اختیار ہوتا ہے، چاہے تمام مال خرچ کر ڈالے یا کسی کو دے دے، اس کی زندگی میں اس کے مال میں اس کی اولاد یا کسی اور کا بطورِ وراثت کوئی حق نہیں، لہذا اس کا زبردستی مطالبہ بھی نہیں کر سکتے، البتہ اگر کوئی اپنا مال اپنی زندگی میں اولاد میں تقسیم کرے، تو بہتر ہے کہ بیٹوں اور بیٹیوں میں سب کو برابر، برابر دے، کیونکہ بیٹے کا بیٹی کی بنسبت دُگنا وِراثت میں ہوتا ہے اور وراثت مرنے کے بعد ہوتی ہے، البتہ اگر بیٹے کو بیٹی کی بنسبت دُگنا دے دیا، تو یہ بھی جائز ہے اور اگر اولاد میں سے کوئی فضیلت رکھتا ہو مثلاً طالبِ علمِ دین ہو، عالم ہو یا والدین کی خدمت زیادہ کرتا ہو، تو اس کو زیادہ دینے میں حرج نہیں۔ نیز اگر اولاد میں کوئی فاسق ہو کہ جس کے بارے میں خوف ہو کہ یہ گناہوں میں مال صرف کرے گا، تو اُسے بالکل کچھ نہ دینا بھی جائز ہے، لیکن بلاحاجت شرعی اولاد یا دیگر حقیقی وُرثاء کو یا ان میں سے بعض کو وراثت سے محروم کر دینا اور سارا مال یا زیادہ مال دوسروں کو دے دینا جائز نہیں۔ بہر حال اس صورت میں بھی اگر اُس نے اپنا مال کسی کو دے دیا، تو وہ اُس کا مالک ہو جائے گا۔

**ہر شخص اپنے مال میں تصرف کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔** چنانچہ امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں: "جب وہ اُسی کی مملوکہ ہے، تو نفسِ زمین میں اُسے ہر طرح کے تصرف مالکانہ کا اختیار ہے جسے چاہے دے سکتا ہے، جو چاہے کر سکتا ہے۔" (فتاوی رضویہ ج 19، ص 223، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

امام اہلسنت علیہ الرحمۃ اپنی زندگی میں بیٹوں، بیٹیوں میں مال تقسیم کرنے کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: "مذہب مفتٰی بہ پر افضل یہی ہے کہ بیٹوں بیٹیوں سب کو برابر دے، یہی قول امام ابو یوسف کا ہے اور ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ دینا بھی جیسا کہ قول امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے، ممنوع وناجائز نہیں، اگرچہ ترکِ اولیٰ ہے۔

ردالمحتار میں علامہ خیر الدین رملی سے ہے: "الفتوی علی قول أبی یوسف من أن التنصیف بین الذکر والأنثی أفضل من التثلیث الذی ھو قول محمد" فتویٰ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے کہ مرد اور عورت کو نصف نصف دینا، مرد کو دو اور عورت کو ایک، تین حصے بنانے سے بہتر ہے اور یہ تین حصے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔

حاشیہ طحطاویہ میں فتاوی بزازیہ سے ہے: "الأفضل فی ھبۃ البنت والابن التثلیث کالمیراث وعند الثانی التنصیف وھو المختار" بیٹی اور بیٹے کو ہبہ کرنے میں تین حصے میراث کے طور پر افضل ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نصف نصف دینا افضل ہے اور یہی مختار ہے۔

بالجملہ خلاف (اختلاف) افضلیت میں ہے اور مذہب مختار پر اولیٰ تسویہ (برابر، برابر دینا بہتر ہے)، ہاں اگر بعض اولاد فضلِ دینی (دینی اعتبار سے فضیلت) میں بعض سے زائد ہو، تو اس کی ترجیح میں اصلاً باک نہیں۔" (فتاوی رضویہ، ج19، ص231، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

**فاسق وفاجر کو محروم کر سکتے ہیں۔** چنانچہ البحر الرائق میں ہے: "لو کان ولدہ فاسقا فاراد ان یصرف مالہ الی وجوہ الخیر ویحرمہ عن المیراث ھذا خیر من ترکہ" ترجمہ: اگر کسی کا بیٹا فاسق ہو اور اس کا ارادہ ہے کہ اپنے مال کو نیکی کے کاموں میں خرچ کرے اور بیٹے کو میراث سے محروم کر دے، تو اس صورت میں نیکی کے کاموں میں مال خرچ کر دینا ترکے (وراثت) میں مال چھوڑ جانے سے بہتر ہے۔ (البحر الرائق، ج7، ص490، مطبوعہ پشاور)

**بلاوجہ حقیقی وُرثاء میں سے بعض کو وِراثت سے محروم کر دینا اور سارا مال دوسروں کو دے دینا جائز نہیں۔** چنانچہ نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "من فر من میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ یوم القیمۃ" ترجمہ: جو اپنے وارث کو میراث پہنچنے سے راہِ فرار اختیار کرے، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنت سے اُس کی میراث کو ختم کر دے گا۔ (سنن ابن ماجہ، ص195، مطبوعہ کراچی)

کسی ایک وارث کو مال دینے اور بلاوجہِ شرعی دوسروں کو بالکل محروم کردینے کے متعلق امام اہلسنت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ”اگر کوئی شخص غیر مجور (وہ شخص جسے بیع وشراء، صدقہ وہبہ وغیرہا تصرفات کی اجازت ہوتی ہے) اپنی ساری جائیداد ایک ہی بیٹے کو دے دے اور باقی اولاد کو کچھ نہ دے، تو یہ تصرف بھی قطعاً صحیح ونافذ ہے، اگرچہ عند اللہ گنہگار ہوگا۔“ (فتاوی رضویہ، ج 19، ص 237، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

# بیوہ نکاح کرلے تو پہلے شوہر کی وراثت میں حصہ دار ہوگی یا نہیں؟

**مجیب:** فرحان احمد عطاری مدنی

**فتوی نمبر:**Web-769

**تاریخ اجراء:**19 جمادی الاول 1444ھ/14 دسمبر 2022ء

## دار الافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

## سوال

اگر شوہر فوت ہو جائے اور اس کی اولاد بھی ہو اور اس کی وراثت تقسیم ہونے سے پہلے ہی بیوی آگے کسی اور سے نکاح کرلے، تو کیا بیوی کو پہلے شوہر کی وراثت سے کچھ ملے گا؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

وراثت سے محرومی کے صرف چار اسباب ہیں، ان چار اسباب کے علاوہ کوئی چیز وارث کو وراثت سے محروم نہیں کر سکتی اور کسی عورت کا اپنے شوہر کی وفات کے بعد عدت گزار کر آگے نکاح کر لینا وراثت سے محرومی کے اسباب میں سے نہیں، لہذا پوچھی گئی صورت اگر بیوی نے عدت گزرنے کے بعد کسی اور سے نکاح کیا ہے، تو اس کا نکاح کرنا بھی درست ہے اور سابقہ شوہر کی اولاد کی موجودگی میں اس کے ترکہ سے سابقہ بیوی کو آٹھواں حصہ بھی ملے گا۔ اگر سابقہ شوہر کا کوئی وارث سابقہ بیوی کے حق شرعی کو ناحق روکے گا تو سخت گناہ گار اور مستحق عذابِ نار ہو گا۔

بیوہ کا حصہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: ''فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَاۤ اَوْ دَیْنٍ'' ترجمہ کنزالایمان: پھر اگر تمہارے اولاد ہو تو ان کا تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں جو وصیت تم کر جاؤ اور دین نکال کر۔ (پارہ 4، سورۂ نساء، آیت 12)

امامِ اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وراثت سے محرومی کے صرف چار سبب ہیں کہ وارث غلام ہو، یا مورِث کا قاتل، یا کافر ہو، یا دار الحرب میں رہتا ہو، باقی کوئی ناقابلیت اسے اس کے حق شرعی سے محروم نہ کرے گی۔'' (فتاوی رضویہ، جلد 26، صفحہ 291، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

فقیہ ملت مفتی جلال الدین امجدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''دوسری شادی کرنے کے بعد بھی عورت اپنے متوفی شوہر کی جائیداد میں حصہ پانے کی مستحق ہے۔۔۔اگر لڑکی یا لڑکا کوئی اولاد چھوڑ کر مرا ہے تو 1/8 حصہ ہے۔۔۔اگر خاوند کے ورثہ اس کا پورا حصہ نہیں دیں گے، تو سخت گنہگار، حق العبد میں گرفتار اور مستحقِ عذابِ نار ہوں گے۔'' (ملتقط از فتاوی فیض الرسول، جلد2، صفحہ 728، شبیر برادرز، لاہور)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

# مسلمان بیٹا، کافر باپ کی وراثت میں حصے دار ہوگا؟

**مجیب:** ابو محمد مفتی علی اصغر عطاری مدنی

**فتوی نمبر:** Nor-13226

**تاریخ اجراء:** 03رجب المرجب1445ھ /15جنوری2024ء

## دار الافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر بیٹا مسلمان ہو جائے تو کیا وہ اپنے کافر باپ کی جائیداد میں سے حصہ دار ہو گا؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

**احادیثِ مبارکہ اور فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ مسلمان اور کافر کے مابین وراثت جاری نہیں ہوتی، لہٰذا پوچھی گئی صورت میں وہ مسلمان لڑکا اپنے کافر باپ کی جائیداد میں حصے دار نہیں ہو گا۔**

مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں۔ جیسا کہ بخاری شریف اور دیگر کتبِ احادیث میں ہے: "عن أسامة بن زيد رضي الله عنهما: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال "لا يرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم"۔ "یعنی حضرتِ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔ (صحيح البخاري، كتاب الفرائض، ج08، ص156، دار طوق النجاة، قاهره)

تبیین الحقائق، بحر الرائق، فتاوی عالمگیری وغیرہ کتبِ فقہیہ میں مذکور ہے: "والنظم للاول" واختلاف الدين أيضا يمنع الإرث والمراد به الاختلاف بين الإسلام والكفر بقوله صلى الله عليه وسلم "لا يرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم"۔ "یعنی دین کا مختلف ہونا بھی موانعِ ارث میں داخل ہے، یہاں اختلاف سے مراد اسلام اور کفر ہے، حضور علیہ السلام کے اس فرمان کی وجہ سے کہ مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔ (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج06، ص240، مطبوعه قاهرة)

المحیط البرہانی میں ہے: "واختلاف الدينين يمنع الوراثة" یعنی دینوں کا اختلاف وراثت جاری ہونے سے مانع ہے۔ (المحيط البرهاني في الفقه النعماني، كتاب النفقات، ج03، ص586، دار الكتب العلمية، بيروت)

بہارِ شریعت میں ہے: "بعض اسباب ایسے ہیں جو وارث کو میراث سے شرعاً محروم کر دیتے ہیں اور وہ چار ہیں۔۔۔۔(3) دین کا اختلاف۔ یعنی **مسلمان کافر اور کافر مسلمان کا وارث نہ ہو گا۔** عام صحابہ رضی اللہ عنہم اور علی و زید رضی اللہ عنہما کا یہی فیصلہ ہے نیز یہ حدیث بھی ہے لَا یَتَوَارَثُ اَھْلُ مِلَّتَیْنِ شَتّٰی یعنی دو مختلف ملتوں کے افراد ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے۔" (بہارِ شریعت، ج 03، ص 1112-1113، مکتبۃ المدینہ، کراچی، ملتقطاً)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

# سوتیلے بیٹے جو حقیقی بھتیجے بھی ہوں، کیا ان کا وراثت میں حصہ ہوگا؟

**مجیب:** ابو محمد مفتی علی اصغر عطاری مدنی

**فتوی نمبر:** Nor-13201

**تاریخ اجراء:** 13 جمادی الثانی 1445ھ / 27 دسمبر 2023ء

## دار الافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے اپنے بھائی بکر کے انتقال کے بعد بیوہ بھابھی سے عدت پوری ہونے کے بعد نکاح کر لیا، بکر کے دو بچے تھے۔ آپ سے معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا ان دونوں بچوں کا زید کی وراثت میں بھی حصہ ہو گا؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

**قواعدِ وراثت کے مطابق سوتیلی اولاد ہونا وراثت میں حق پیدا نہیں کرتا، لہذا پوچھی گئی صورت میں زید کی وراثت میں اُن سوتیلے بچوں کا اولاد کی حیثیت سے کوئی حصہ نہیں ہو گا۔ البتہ صورتِ مسئولہ میں زید کے یہ سوتیلے بچے در حقیقت زید کے سگے بھتیجے بھی ہیں اور بھتیجا بھی شرعاً بعض صورتوں میں وارث بنتا ہے۔ اگر وہ صورت پائی گئی تو بلاشبہ یہ بچے زید کے وارث بنیں گے ورنہ نہیں، مثلاً زید کے یہاں لڑکا پیدا ہو جاتا ہے اور زید کے انتقال تک اس کا کوئی لڑکا زندہ ہوتا ہے تو بھتیجے کے وارث بننے کی کوئی صورت نہیں ہو گی۔**

سوتیلی اولاد وراثت کی مستحق نہیں۔ جیسا کہ فتاوی رضویہ میں ہے: "**سوتیلا بیٹا ہونا شرعاً ترکہ میں کوئی استحقاق نہیں پیدا کرتا۔**" (فتاوی رضویہ، ج26، ص84، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

فتاوی خلیلیہ میں ہے: "سوتیلے ماں باپ اور **سوتیلی اولاد میں وراثت کے احکام جاری نہیں ہوتے،** لہذا زوجہ کی جو اولاد پہلے کسی شوہر سے موجود ہو، اپنے سوتیلے باپ کے مال متروکہ سے کسی حصہ کی مستحق نہیں۔" (فتاوی خلیلیہ، ج03، ص437، ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: ”گود لینے والے کا نہ یہ بیٹا ہے نہ اِس حیثیت سے اُس کا وارث، **ہاں اگر وارث ہونے کی بھی اِس میں حیثیت موجود ہے مثلاً بھتیجا کو گود لیا تو یہ وارث ہو سکتا ہے جبکہ کوئی اور مانع نہ ہو۔**“ (فتاوی امجدیہ، ج03، ص365، مکتبہ رضویہ، کراچی)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

# دادا کی وراثت میں یتیم پوتے کا حصہ

**مجیب:** مولانا مسعود علی صاحب زید مجدہ

**مصدق:** مفتی علی اصغر صاحب مدظلہ العالی

**فتوی نمبر:** web-45

**تاریخ اجراء:** 22 جمادی الاولٰی 1442ھ / 07 جنوری 2021ء

## دَارُالافْتَاءاَہلسُنَّت

(دعوت اسلامی)

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ یتیم پوتا اپنے دادا کی وراثت کا حقدار ہو گا یا نہیں جبکہ اس کے والد کا انتقال دادا کی زندگی میں ہی ہو گیا ہو؟

سائلہ : سارہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

پوچھی گئی صورت میں اگر دادا کے انتقال کے وقت دادا کا کوئی اور بیٹا یعنی یتیم بچے کا چچا، تایا موجود ہو تو پوتے کو دادا کی وراثت سے حصہ نہیں ملے گا۔ البتہ بالغ ورثاء کو چاہیے کہ اپنے حصوں میں سے یتیم بچوں کو بھی کچھ دے دیں کہ یہ مستحب اور ثواب کا کام ہے، لیکن نابالغ اور غیر موجود وارث کے حصے میں سے دینے کی اجازت نہیں۔

اللہ تبارک و تعالی قرآنِ پاک میں ارشاد فرماتا ہے: ”وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَۃَ اُولُوا الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنُ فَارْزُقُوْھُمْ مِّنْہُ وَقُوْلُوْا لَھُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا“ ترجمہ کنز الایمان: پھر بانٹتے وقت اگر رشتہ دار اور یتیم اور مسکین آجائیں تو اس میں سے انہیں بھی کچھ دو اور ان سے اچھی بات کہو۔

(پارہ 4، سورۃ النساء، آیت 8)

اس آیت کی تفسیر میں ہے: ”اس آیت میں غیر وارثوں کو وراثت کے مال میں سے کچھ دینے کا جو حکم دیا گیا ہے، یہ دینا مستحب ہے۔ اس مستحب حکم پر یوں بھی عمل ہو سکتا ہے کہ بعض اوقات کوئی بیٹا یتیم بچے چھوڑ کر فوت ہو جاتا ہے اور اس کے بعد باپ کا انتقال ہوتا ہے تو وہ یتیم بچے چونکہ پوتے بنتے ہیں اور چچا یعنی فوت ہونے والے کا دوسرا بیٹا موجود ہونے کی وجہ سے یہ پوتے دادا کی میراث سے محروم ہوتے ہیں تو دادا کو چاہیے کہ ایسے پوتوں کو وصیت کر کے مال کا مستحق بنا دے اور اگر دادا نے ایسا نہ کیا ہو تو وارثوں کو چاہیے کہ اوپر والے حکم پر عمل کرتے ہوئے اپنے حصہ میں سے اسے کچھ دے دیں۔ اس حکم پر عمل کرنے میں

مسلمانوں میں بہت سستی پائی جاتی ہے بلکہ اس حکم کا علم ہی نہیں ہوتا۔ البتہ یہ یاد رہے کہ نابالغ اور غیر موجود وارث کے حصہ میں سے دینے کی اجازت نہیں۔"

(تفسیر صراط الجنان، جلد2، صفحہ150، مکتبۃ المدینہ)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

# والد کی زندگی میں فوت ہونے والے بیٹے کا والد کی وراثت میں حصہ

**مجیب:** سید مسعود علی عطاری مدنی

**فتوی نمبر:** Web-836

**تاریخ اجراء:** 17 شوال المکرم 1444ھ/08 مئی 2023ء

## دار الافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

## سوال

اگر کوئی بیٹا اپنے والد کی زندگی میں ہی فوت ہو جائے، تو کیا اسے یا اس کی اولاد کو اس کے والد کی وراثت سے حصہ ملے گا جبکہ والد کے دوسرے بیٹے بھی موجود ہوں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَهَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

میت کے وارث وہ لوگ ہوتے ہیں، جو اس کی موت کے وقت زندہ ہوں، لہٰذا اگر کوئی بیٹا اپنے والد کی زندگی میں ہی فوت ہو گیا، تو والد کی وفات کے بعد والد کی وراثت میں اس فوت ہو جانے والے بیٹے کا کوئی حصہ نہیں ہو گا، جب اس فوت ہونے والے بیٹے کا کوئی حصہ نہیں، تو اس کے والد کے دیگر بیٹوں کی موجودگی میں فوت شدہ بیٹے کی اولاد کا بھی دادا کی جائیداد میں بطورِ وراثت کوئی حصہ نہیں ہو گا۔

ہاں اگر بالغ ورثاء اپنے حصوں میں سے اپنی رضامندی سے اس کی اولاد کو کچھ دیں، تو ثواب پائیں گے۔

علامہ ابنِ عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ ترکہ ملنے کی شرائط بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”وجود وارثہ عند موتہ حیا حقیقۃ“ یعنی مورث کی وفات کے وقت وارث کا حقیقتاً زندہ موجود ہونا (بھی وراثت کے ثبوت کی ایک شرط ہے) (رد المحتار، جلد 10، صفحہ 525، بیروت)

جو بیٹا، بیٹی والد کی زندگی میں انتقال کر جائے، اس کا باپ کے ترکہ میں کوئی حق نہیں ہوتا۔ اس کے متعلق اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”لا حق لابن مات قبل ابیہ فی ترکۃ ابیہ“ یعنی جو بیٹا اپنے والد سے پہلے انتقال کر گیا، اس کا اپنے والد کے ترکہ میں کوئی حق نہیں۔ (فتاوی رضویہ، جلد 25، صفحہ 383، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

جو وارث محروم ہو جائیں، انہیں بھی میراث میں سے کچھ دے دینا بہتر ہے۔ چنانچہ اللہ پاک قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے: ''وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا'' ترجمہ کنز الایمان: پھر بانٹتے وقت اگر رشتہ دار اور یتیم اور مسکین آجائیں، تو اس میں سے انہیں بھی کچھ دو اور ان سے اچھی بات کہو۔ (القرآن الکریم، سورۂ نساء، آیت 8)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت ارشاد فرماتے ہیں: ''جو رشتہ دار میراث سے محروم ہو گئے ہوں، انہیں بھی میراث سے کچھ دے دینا علی الحساب بہتر ہے۔'' (تفسیر نعیمی، جلد 4، صفحہ 493، مکتبہ اسلامیہ، لاہور)

وَاللهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُه اَعْلَم صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

# اولاد نہ ہو تو بیوی کو وراثت میں حصہ ملے گا؟

مجیب: ابو محمد مفتی علی اصغر عطاری مدنی

فتوی نمبر: Nor-12998

تاریخ اجراء: یکم ربیع الاول 1445ھ / 18 ستمبر 2023ء

## دار الافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس کی کوئی اولاد نہ ہو، تو شوہر کی جائیداد میں بیوی کا حق ہو گا یا نہیں؟ اور اگر شوہر کے دیگر ورثا بیوہ کا حصہ نہ دیں، تو کیا حکم ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

پوچھی گئی صورت میں وراثت تقسیم کرنے سے پہلے لازم ہونے والے حقوق کی ادائیگی یعنی میت کی تجہیز و تکفین و تدفین کا خرچ، میت کے ذمہ اگر کوئی قرض تھا، تو اس کی ادائیگی اور اگر اس نے کوئی جائز وصیت کر رکھی تھی تو ایک تہائی ترکے کی حد تک وصیت نافذ کرنے کے بعد شوہر کی تمام جائیدادِ منقولہ و غیر منقولہ کا چوتھا حصہ (1/4) اس کی بیوہ کو دیا جائے گا۔ یہی خدائے احکم الحاکمین جل جلالہ کا فیصلہ ہے کہ جب مرنے والے شخص کی کوئی اولاد نہ ہو تو اس کی بیوہ کو کل جائیداد کا چوتھا حصہ ملتا ہے۔ اگر خاوند کے ورثا اس کی بیوہ کو پورا حصہ نہیں دیں گے تو سخت گناہ گار، حق العبد میں گرفتار اور مستحقِ عذابِ نار ہوں گے۔

بیوہ کا حصہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: ”وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ“ ترجمہ کنز الایمان: اور تمہارے ترکہ میں عورتوں کا چوتھائی ہے اگر تمہارے اولاد نہ ہو، پھر اگر تمہارے اولاد ہو تو ان کا تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں جو وصیت تم کر جاؤ اور دَین نکال کر۔ (پارہ 4، سورۂ نساء، آیت 12)

مذکورہ آیتِ پاک کے تحت مفسرِ شہیر مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”یہ بیوی کی میراث کا ذکر ہے، بیوی ایک ہو یا زیادہ، خلوت ہو چکی یا نہ اور خاوند کی اولاد نہ اس بیوی سے ہو، نہ دوسری بیوی سے، بہر حال اس کی

میراث یہ ہے کہ اس کے خاوند کے متروکہ مال کا چہارم یعنی 1/4 ملے گا، باقی تین حصے دوسرے وارثوں کے ہوں گے

"(تفسیرِ نعیمی، جلد4، صفحہ516، نعیمی کتب خانہ، گجرات)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

# بہنوں کے حصے کی پراپرٹی بیچنے کا حکم

**مجیب:** مولانا محمد نوید چشتی عطاری

**فتوی نمبر:** WAT-2768

**تاریخ اجراء:** 27 ذیقعدۃ الحرام 1445ھ / 05 جون 2024ء

## دار الافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

## سوال

آج کل لوگ باپ کی پراپرٹی سے بہنوں کو حصہ نہیں دیتے اور ساری پراپرٹی خود رکھ لیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ایسی پراپرٹی بیچ رہا ہو، جس میں اس کی بہنوں کا حصہ بھی ہو، اور اس نے اپنی بہنوں کو حصہ نہ دیا ہو تو کیا ہم ایسی پراپرٹی خرید سکتے ہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

اولاً تو یہ یاد رہے کہ میراث میں بہنوں کو شرعی حصہ سے محروم رکھنا اور بھائیوں کا سارے مال پر قبضہ کر لینا شدید حرام اور کبیرہ گناہ ہے، اس پر قرآن و حدیث میں سخت وعیدات بیان کی گئی ہیں۔

آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص وراثت کے مشترکہ مکان میں سے اپنی بہنوں کو حصہ نہ دے تو یہ شخص اس مکان میں سے اپنا حصہ بیچ سکتا ہے، لیکن اپنی بہنوں اور دیگر ورثا کا حصہ ان کی اجازت کے بغیر نہیں بیچ سکتا، اگر یہ شخص پورے مکان میں سے اپنے اور دیگر ورثا کے حصوں سمیت پورا مکان بیچے گا تو وہ اس مکان میں سے دیگر ورثا کا حصہ بیچنے میں فضولی کہلائے گا، اگر دیگر ورثا اپنے حصے کی خرید و فروخت کو جائز قرار دیں تو یہ خرید و فروخت درست ہو جائے گی اور اگر وہ رجیکٹ کر دیں تو ان کے حصے کے مطابق اگریمنٹ ختم ہو جائے گا۔

مشترکہ مکان میں سے اپنا غیر معین حصہ بیچنا جائز ہے، چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے: ”لو کان المبیع دارا أو أرضا بین رجلین مشاعا غیر مقسوم فباع أحدھما قبل القسمة بیتا منها بعینه أو قطعة بعینها فالبیع لا یجوز لا في نصیبه ولا في نصیب صاحبه بخلاف ما إذا باع جمیع نصیبه من الدار والأرض فالبیع جائز“ ترجمہ: اگر مبیع ایسا گھر یا ایسی زمین ہو جو دو لوگوں کے درمیان مشاع ہو، تقسیم شدہ نہ ہو، پھر ان میں سے ایک نے تقسیم سے پہلے اس گھر میں سے ایک معین حصہ یا معین ٹکڑا بیچ دیا تو بیع جائز نہیں ہے، نہ اس کے حصے میں اور نہ

اس کے ساتھی کے حصے میں، بر خلاف اس کے کہ جب اس نے گھر یا زمین میں سے اپنے مکمل حصے کو بیچ دیا تو بیع جائز ہے۔ (فتاوی عالمگیری، جلد3، صفحہ130، مطبوعہ کوئٹہ)

درر الحکام میں ہے: "لو باع أحد صاحبي الدار المشتركة حصته وحصة شريكه بدون إذنه لآخر فيكون البيع المذكور فضولا في حصة الشريك (البهجة) وللشريك المذكور إن شاء فسخ البيع في حصته وإن شاء أجاز البيع إذا وجدت شرائط الإجازة" ترجمہ: اگر مشترکہ گھر کے مالکان میں سے ایک نے اپنا حصہ اور اپنے شریک کا کسی اجنبی کو اس کی اجازت کے بغیر بیچ دیا تو یہ شریک کے حصے میں بیع فضولی ہو گی اور شریک کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو اپنے حصے کی بیع ختم کر دے اور چاہے تو اسے جائز کر دے جبکہ بیع کی شرائط پائی جائیں۔

(درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام، جلد3، صفحہ29، مطبوعہ دار الجیل)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

# خنثٰی (ہِجڑا/خواجہ سرا) کسے کہتے ہیں اور وراثت میں اس کے حصے کا حکم؟

**مجیب:** مفتی ابوالحسن محمد ہاشم خان عطاری

**فتوی نمبر:** Jtl-1014

**تاریخ اجراء:** 15ذوالقعدۃالحرام1444ھ /05جون2023ء

## دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ میت کے ترکہ سے مرد و عورت کا حصہ تو بیان کیا جاتا ہے کہ مرد کو اتنا مخصوص حصہ ملے گا اور عورت کو اتنا، پوچھنا یہ ہے کہ اگر کسی کی اولاد میں سے کوئی خنثیٰ ہو، تو کیا اس کو بھی حصہ ملے گا یا نہیں؟ اگر ملے گا تو کتنا ملے گا؟ نیز یہ فرمائیں کہ شریعت میں خنثیٰ کو پہچاننے کا کیا معیار ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

شرعی معیار کے مطابق جس پر خنثیٰ مشکل کا اطلاق ہو جائے، تو اس پر جس طرح باقی احکامِ دینیہ لاگو ہوتے ہیں، اسی طرح اس کو وراثت میں بھی حصہ دیا جاتا ہے۔ وہ اس طرح کہ اسے مرد و عورت تسلیم کر کے دیکھا جائے گا کہ دونوں صورتوں میں سے جس صورت میں اسے کم حصہ ملتا ہے، وہی حصہ دیا جائے گا۔ مثلاً: میت کی اولاد میں ایک بیٹا ، ایک بیٹی اور ایک خنثیٰ ہے، تو خنثیٰ کو بیٹا تسلیم کرنے کی صورت میں دوگنا ملے گا اور بیٹی تسلیم کرنے کی صورت میں ایک گنا ملے گا، لہذا اسے بیٹی تسلیم کر کے کم حصہ دیا جائے گا یا دو صورتوں میں سے جس صورت میں اسے محروم رکھا جا سکتا ہے، وہی صورت اختیار کی جائے گی۔ مثلاً: میت کے ورثاء میں سے شوہر، ایک حقیقی بہن اور ایک باپ کی طرف سے خنثیٰ اولاد ہے، تو خنثیٰ کو باپ کی طرف سے میت کی بہن تسلیم کیا جائے، تو ذوی الفروض ہونے کی وجہ سے اس کو مخصوص حصہ ملے گا اور اگر باپ کی طرف سے میت کا بھائی تسلیم کیا جائے، تو عصبہ ہونے کی بناء پر اس کو کچھ بھی نہیں ملے گا، لہذا اسے باپ کی طرف سے میت کا بھائی تسلیم کر کے وراثت سے محروم رکھا جائے گا۔

نیز خنثیٰ مشکل کی تعریف اور اس کی پہچان کا شرعی معیار مندرجہ ذیل ہے:

خنثیٰ وہ فرد ہے جس میں مرد و عورت دونوں کے اعضاء ہوں یا دونوں میں سے کوئی عضو نہ ہو۔ اگر دونوں عضو ہوں، تو نابالغی کی حالت میں اس پر مرد یا عورت کا حکم لگانے میں پیشاب کرنے کے مقام کا اعتبار ہو گا کہ وہ پیشاب کون سے عضو سے کرتا ہے؟ اگر مردانہ عضو سے پیشاب کرتا ہے تو مرد کا حکم ہے اور اگر زنانہ عضو سے پیشاب کرتا ہے، تو عورت کا حکم ہے، کیونکہ یہ حدیث سے ثابت ہے کہ خنثیٰ اسی جنس کے حکم میں ہے، جس جنس کے مخصوص عضو سے پیشاب کرتا ہے اور اگر دونوں سے پیشاب کرتا ہے، تو یہ دیکھا جائے گا کہ پہلے کون سے عضو سے پیشاب کرتا ہے، جس عضو سے پہلے پیشاب کرے گا، اسی جنس کے حکم میں ہو گا اور اگر دونوں عضو سے ایک ساتھ پیشاب کرتا ہے، تو اس کو خنثیٰ مشکل کہتے ہیں یعنی اس کے مرد و عورت ہونے کا کچھ پتہ نہیں چلتا اور بلوغت کی حالت میں مردوں یا عورتوں کی علامات کا اعتبار کیا جائے گا، چنانچہ اگر اس کی داڑھی نکل آئی یا مردوں کی طرح احتلام ہوتا ہے، تو مرد کے حکم میں ہے اور اگر اس کو ماہواری آئے یا حاملہ ہو جائے یا عورتوں کی طرح پستان ظاہر ہوں، تو عورت کے حکم میں ہے اور اگر کوئی بھی علامت ظاہر نہ ہو یا دونوں جنس کی علامات پائی جائیں، مثلاً: اس میں مردوں والی علامت بھی پائی جائے اور عورتوں والی بھی، تو یہ خنثیٰ مشکل ہو گا۔

**دلائل وجزئیات:**

**شیخ علاء الدین محمد بن علی حصکفی حنفی رحمہ اللہ (المتوفیٰ 1088ھ)** فرماتے ہیں: "وھو ذو فرج وذکر أو من عری عن الاثنین جمیعا" ترجمہ: خنثیٰ وہ فرد ہے جس میں عورت و مرد دونوں کے اعضاء ہوں یا اس میں دونوں اعضاء نہ ہوں۔ (الدر المختار مع رد المحتار، جلد 10، کتاب الخنثی، صفحہ 477، مطبوعہ کوئٹہ)

**ملک العلماء امام علاء الدین ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی رحمہ اللہ (المتوفیٰ 587ھ)** فرماتے ہیں: "وأما العلامة فی حالة الصغر فالمبال، لقوله علیه الصلاۃ والسلام: "الخنثی من حیث یبول" فإن کان یبول من مبال الذکور فھو ذکر، وإن کان یبول من مبال النساء فھو أنثی وإن کان یبول منھما جمیعا یحکم السبق لأن سبق البول من أحدھما یدل علی أنه ھو المخرج الأصلی وأن الخروج من الآخر بطریق الانحراف عنه وإن کان لا یسبق أحدھما الآخر فتوقف أبو حنیفة رضی اللہ عنه وقال: ھو خنثی مشکل وھذا من کمال فقه أبی حنیفة رضی اللہ عنه" ترجمہ: حالتِ صغر میں (بلوغت سے پہلے) اس کی پہچان

کی علامت پیشاب کرنے کا مقام ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ خنثیٰ (اسی جنس کے حکم میں ہے) جس (جنس کے مخصوص عضو) سے پیشاب کرتا ہے، اگر وہ مردانہ عضو سے پیشاب کرتا ہے، تو مرد کے حکم میں ہے اور اگر زنانہ عضو سے پیشاب کرتا ہے، تو عورت کے حکم میں ہے اور اگر دونوں سے اکٹھے پیشاب کرتا ہے، تو پیشاب میں سبقت لے جانے والے عضو کے مطابق حکم لگایا جائے گا (یعنی یہ دیکھا جائے گا کہ پہلے کس عضو سے پیشاب کرتا ہے)، کیونکہ دونوں اعضاء میں سے ایک عضو سے پیشاب کا پہلے نکلنا (اس بات کی) دلیل ہے کہ پیشاب نکلنے کا عضو اصلی یہی ہے اور دوسرے عضو سے نکلنا پہلے عضو سے انحراف کے طریق پر ہے اور دونوں اعضاء میں کوئی عضو (پیشاب کے اعتبار سے) دوسرے پر سابق نہ ہو، تو امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اس پہ توقف کیا اور فرمایا کہ یہ خنثیٰ مشکل ہے اور یہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی کمال فقاہت کی دلیل ہے۔ (بدائع الصنائع، جلد 6، کتاب الخنثی، صفحہ 418، مطبوعہ پشاور)

شیخ الاسلام برہان الدین ابو الحسن علی بن ابو بکر فرغانی مرغینانی حنفی رحمہ اللہ (المتوفی 593ھ) فرماتے ہیں: "وإذا بلغ الخنثی وخرجت له اللحية أو وصل إلی النساء فهو رجل وكذا إذا احتلم كما يحتلم الرجل أو كان له ثدي مستو، لأن هذه من علامات الذكران ولو ظهر له ثدي كثدي المرأة أو نزل له لبن في ثديه أو حاض أو حبل أو أمكن الوصول إليه من الفرج فهو امرأة لأن هذه من علامات النساء وإن لم يظهر إحدى هذه العلامات فهو خنثى مشكل وكذا إذا تعارضت هذه المعالم" ترجمہ: اور جب خنثیٰ بالغ ہو جائے اور اس کی داڑھی نکل آئی یا عورتوں سے جماع کے قابل ہو جائے، تو وہ مرد کے حکم میں ہے اور یونہی احتلام ہو، جیسے مرد کو ہوتا ہے یا اس کے پستان سینے کے برابر ہوں (یعنی ابھار نہ ہو) کیونکہ یہ سب مردانگی کی علامات ہیں اور اگر اس کے پستان ایسے ظاہر ہوں جیسے عورت کے ہوتے ہیں یا اس کے پستانوں میں دودھ اتر آئے یا ماہواری آئے یا حاملہ ہو جائے یا اس کے زنانہ عضوِ خاص میں جماع ممکن ہو، تو یہ عورت کے حکم میں ہے، کیونکہ یہ سب زنانہ علامات ہیں اور اگر ان علامات میں سے کوئی ایک بھی علامت ظاہر نہ ہو، تو وہ خنثیٰ مشکل ہے اور یونہی جس میں یہ علامات باہم متعارض ہوں (یعنی مردانہ علامت بھی پائی جائے اور زنانہ بھی)۔ (الھدایۃ، جلد 4، کتاب الخنثی، صفحہ 568، مطبوعہ مکتبہ امام احمد رضا، راولپنڈی)

صاحب در مختار علامہ حصکفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:" ولہ فی المیراث أقل النصیبین یعنی أسوأ الحالین بہ یفتی "ترجمہ: اور خنثیٰ مشکل کو وراثت میں دو حصوں میں سے کم حصہ یعنی دو حالتوں میں سے نچلی حالت والا حصہ ملے گا۔ یہی مفتیٰ بہ قول ہے۔ (الدر المختار مع رد المحتار، جلد 10، کتاب الخنثی، صفحہ 482، مطبوعہ کوئٹہ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی رحمہ اللہ (المتوفٰی 1252ھ) مذکورہ بالا عبارت کے تحت فرماتے ہیں:" فأيهما أقل يعطاه وإن كان محروما على أحد التقديرين فلا شيء له "ترجمہ: (خنثیٰ مشکل کو مذکر و مؤنث تسلیم کر کے) دونوں حصوں میں سے جو کم حصہ ہو، اسے دیا جائے گا اور اگر دو صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں محروم ہو، تو اس کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔ (رد المحتار مع رد المحتار، جلد 10، کتاب الخنثی، صفحہ 482، مطبوعہ کوئٹہ)

بہارِ شریعت میں ہے:" خنثیٰ مشکل کا حکم یہ ہے کہ اس کو مذکر و مؤنث مان کر جس صورت میں کم ملتا ہے، وہ دیا جائے گا اور اگر ایک صورت میں اسے حصہ ملتا ہے اور ایک صورت میں نہیں ملتا، تو نہ ملنے والی صورت اختیار کی جائے گی۔" (بہار شریعت، جلد 3، حصہ بستم، صفحہ 1174، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

نیز بہار شریعت میں ہے:" اگر خنثیٰ کو لڑکا مانتے ہیں، تو اسے ۵ حصوں میں سے دو حصے ملتے ہیں اور اگر اسے لڑکی مانتے ہیں، تو چار حصوں میں سے ایک حصہ ملتا ہے اور ظاہر ہے کہ 5/2، 4/1 سے زیادہ ہے، لہٰذا اس کو مؤنث والا حصہ یعنی 4/1 دیا جائے گا۔۔۔ اگر خنثیٰ کو باپ کی طرف سے بھائی قرار دیا جائے، تو وہ عصبہ بنے گا اور اس کے لئے کچھ نہ بچے گا، اس لئے کہ نصف شوہر کا اور نصف حقیقی بہن کا فرض حصہ ہے اور عصبہ کو اس وقت ملتا ہے جب ذوی الفروض سے کچھ بچے، اور جب خنثیٰ کو باپ کی طرف سے بہن فرض کیا گیا، تو وہ ذوی الفروض میں سے ہے اور ٦ سے مسئلہ بنانے کے بعد نصف یعنی ٣ شوہر کو ملے اور نصف حقیقی بہن کو اور خنثیٰ کو چھٹا حصہ یعنی ایک، بہنوں کا دو تہائی حصہ پورا کرنے کے لئے اور مسئلہ عول ہو کرے سے ہو گیا لہٰذا خنثیٰ کو مذکر مان کر محروم رکھا جائے گا۔" (بہار شریعت التقاطاً، جلد 3، حصہ بستم، صفحہ 1175، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

# جائیداد میں لڑکیوں کو عاق کرنا کیسا؟

**مجیب:** مفتی قاسم صاحب مدظلہ العالی

**تاریخ اجراء:** ماہنامہ فیضان مدینہ رَجَبُ المُرَجب1442ھ /مارچ2021ء

## دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ کیا جائیداد میں لڑکیوں کو عاق کیا جاسکتا ہے؟

سائل: دانش اظہر (کہوٹہ، راولپنڈی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِكِ الۡوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الۡحَقِّ وَالصَّوَابِ

"عاق" نافرمانی کرنے والے کو کہتے ہیں، جو والدین کی نافرمانی کرتا ہے، وہ خود ہی عاق و گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے، والدین کے عاق کرنے کا اس میں کوئی دخل نہیں، لیکن عاق کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ اس کو وراثت میں سے حصہ نہیں ملے گا، آج کل لوگ اپنی اولاد کو عاق کہہ کر وراثت سے محروم کر دیتے ہیں، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں اور نہ ہی اس وجہ سے کوئی شرعی وارث وراثت سے محروم ہوگا، بلکہ ایسا کرنے والا شخص گناہ گار ہوگا، کیونکہ وراثت شریعت کا مقرر کردہ حق ہے، جو کسی کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوسکتا، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں لڑکا ہو یا لڑکی، اسے اپنی وراثت سے عاق کرنا شرعاً جائز نہیں ہے اور کسی کے کہنے سے وہ اپنے حصے سے محروم بھی نہیں ہوں گے، بلکہ شرعی طور پر ان کا جتنا حصہ بنتا ہے، وہ اس کے مستحق ہوں گے۔

نیز اسی طرح اپنی جہالت یا رسم و رواج کی وجہ سے لڑکیوں کو ان کا حصہ نہ دینا جیسا کہ بعض جگہ لڑکیوں کو مطلقاً ان کا حصہ دیا ہی نہیں جاتا، یہ بھی حرام و گناہ اور جہنم میں لے جانے والا کام ہے کہ یہ کسی کے مال کو ناحق و باطل طور پر کھانے کی ایک صورت اور کفار کا طریقہ ہے۔

وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوۡلُہٗ اَعۡلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

دارالافتاء اہلسنّت (دعوتِ اسلامی)
Darul Ifta AhleSunnat

ریفرنس نمبر: Sar 6880　تاریخ: 24-12-2019

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

## کاروبار میں وراثت کا حکم

کیافرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے والد صاحب کا انتقال ہوا، توانہوں نے اپنے ورثاء میں پانچ بیٹے اور ایک بیٹی کو چھوڑا۔ اب جبکہ شریعت کے مطابق ان کے ترکے کو تقسیم کرنے لگے ہیں تو یہ مسئلہ درپیش ہے کہ والد صاحب اپنی زندگی میں ایک کاروبار چلا رہے تھے، جسے والد صاحب کے ساتھ مل کر دو بیٹے بھی چلا رہے تھے اس کاروبار میں ان کی کوئی شراکت نہ تھی، بس والد صاحب کے کاروبار چلانے میں مددگار تھے ،والد صاحب نے وفات پائی تو وہی دونوں بیٹے اس کاروبار کو چلاتے رہے حالانکہ بقیہ ورثاء کی طرف سے اجازت نہ تھی اور اب تقسیم میں ان دونوں کا کہنا ہے کہ یہ کاروبار ان ہی کو دے دیا جائے اور بقیہ ترکے کو شریعت کے مطابق سب میں تقسیم کر دیا جائے، جبکہ بقیہ ورثاء اب بھی اس بات پر راضی نہیں ہیں، بلکہ کاروبار میں بھی جو ان کا حصہ بنتا ہے اس کا تقاضا کرتے ہیں، لہٰذا بتائیے کہ کیا بقیہ تقسیم میں اس کاروبار کو بھی تقسیم کرنا پڑے گا یا نہیں؟ اور اگر کاروبار بھی تقسیم کرنا ہو گا تو جو آج تک اس کاروبار سے کمایا گیا ہے، کیا بقیہ ورثاء کا اس میں بھی حصہ بنے گا یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

**الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب**

صورتِ مسئولہ میں سائل کے سچا ہونے کی صورت میں دیگر چیزوں میں جس طرح شرعی تقسیم ہو گی اسی طرح کاروبار کے مال میں بھی تقسیم کی جائے گی اور دونوں بھائیوں کا دیگر ورثاء کے مانگنے کے باوجود ان کا حصہ نہ دینا ناجائز و حرام اور جہنم میں لے جانے والا کام ہے۔ کسی کا حق کھانے والوں کے بارے میں قرآن و احادیث

میں بہت سی وعیدیں آئی ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشادِباری تعالیٰ ہے: ﴿ولا تاکلوااموالکم بینکم بالباطل﴾ ترجمۂ کنزالایمان: "اورآپس میں ایک دوسرے کامال ناحق نہ کھاؤ۔" (سورۃبقرہ،آیت188)

کسی وارث کی میراث نہ دینے سے متعلق حدیث پاک میں ہے:"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فرمن میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ یوم القیامۃ"ترجمہ:رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:جواپنے وارث کومیراث دینے سے بھاگے،اللہ قیامت کے دن جنت سے اس کی میراث قطع فرمادے گا۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الوصایا،ص194،مطبوعہ کراچی)

اورمیراث کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشادفرماتاہے:﴿یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین﴾ ترجمہ کنزالایمان:اللہ تمہیں حکم دیتاہے تمہاری اولادکے بارے میں،بیٹے کاحصہ دوبیٹیوں کے برابرہے۔

(پارہ4،سورۃالنساء،آیت11)

**اورجہاں تک بغیرورثاء کی اجازت کے اس کاروبارکوجاری رکھ کراس سے حاصل کیے ہوئے نفع کامعاملہ ہے**

توجو ان دونوں بھائیوں نے اس کاروبارسے کمایا،وہ بھی ان بھائیوں کے لیے اپنے استعمال میں لاناحرام ہے کہ اگرچہ اس کے یہ خودمالک ہیں اوردیگرکواس کے مطالبے کاحق حاصل نہیں،لیکن جوکمایاچونکہ مشترکہ کاروبارسے بغیران کی اجازت سے کمایا،توان دونوں بھائیوں کے حصے کے بدلے جتنانفع آئے وہ ان کے لیے جائزہے اوردوسروں کے حصے کانفع ان کے حق میں ملک خبیث یعنی ناپاک وحرام ہے،جس کاحکم یہ ہے کہ یاتویہ فقیرِشرعی پربغیرثواب کی نیت کے صدقہ کردیں یاپھرورثاءکودےدیں اورورثاءکودیناافضل ہے۔

مالِ مغصوبہ سے حاصل شدہ نفع اصل مالک کانہیں ہوتا،بلکہ غاصب کاہی ہوتاہے۔جیساکہ رد المحتار میں ہے:" أن الغلة للغاصب عندنا،لأن المنافع لاتتقوم إلابالعقدوالعاقدهوالغاصب...فكان هو أولى ببدلها، ويؤمر أن يتصدق بهالاستفادتها ببدل خبيث وهو التصرف في مال الغير" ترجمہ:(غصب کی ہوئی چیزسے حاصل شدہ) نفع ہمارے نزدیک غاصب کاہی ہوگا،کیونکہ منافع عقدکے ساتھ ہی قائم ہوتے ہیں اورعاقدیعنی عقدکرنے والا(یہاں)وہی غاصب ہے...تواس کے بدل کازیادہ حقدار بھی وہی

ہو گا، (ہاں) اسے وہ نفع صدقہ کرنے کا حکم دیا جائے گا، اس لیے کہ وہ اس کو خبیث بدل کے ذریعے حاصل ہوا ہے اور وہ (خبیث بدل) غیر کے مال میں تصرف کرنا ہے۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الغصب، جلد9، صفحہ317، مطبوعہ کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن ایک مقام پر مشترکہ مال سے اجازت کے بغیر ملنے والے نفع کے بارے میں حکم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "جبکہ نہ ان لڑکیوں نے اپنا حصہ مانگا نہ لڑکوں نے دیا اور بطور خود اس میں تجارت کرتے رہے تو وہ چاروں لڑکیاں اصل متروکہ میں اپنا حصہ طلب کر سکتی ہیں، تجارت سے جو نفع ہوا، وہ لڑکیاں اس کی مالک نہیں، ہاں ان کے حصہ پر جو نفع ہوا، لڑکوں کے لئے ملک خبیث ہے۔ لڑکوں کو جائز نہیں کہ اسے اپنے تصرف میں لائیں، ان پر واجب ہے کہ یا تو وہ نفع فقراء مسلمین پر تصدق کریں یا چاروں لڑکیوں کو دے دیں اور یہی بوجوہ افضل و اولیٰ ہے اور ان لڑکیوں کے لئے حلال طیب ہے کہ انہیں کی ملک کا نفع ہے جبکہ لڑکوں پر شرعاً حرام ہے کہ ان لڑکیوں کے حصہ کا نفع اپنے صرف میں لائیں تو لڑکیوں ہی کو کیوں نہ دیں کہ ان کی دلجوئی ہو، صلہ رحم ہو، صاحب حق کی ملک کا نفع اسی کو پہنچے۔"

(فتاویٰ رضویہ، جلد26، صفحہ373، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

**کتبـــــــــــــــــــــــہ**

**المتخصص فی الفقہ الاسلامی**

**ابو الفیضان عرفان احمد مدنی**

**26 ربیع الثانی 1441ھ/24 دسمبر 2019ء**

**الجواب صحیح**

**مفتی محمد قاسم عطاری**

ریفرینس نمبر: Faj5308 | بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ | تاریخ: 17-03-2019

## نافرمان بیٹے کو جائیداد سے عاق کرنے کی شرعی حیثیت

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا لڑکا میرا نافرمان ہے۔ شادی کے ایک پروگرام میں مہمانوں کے سامنے اس نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا اور مجھے لاتوں اور ہاتھوں سے مارا اور مجھے بے حساب گالیاں دیں، میری ملکیت میں تین مکان ہیں۔ میرا بیٹا کہتا ہے کہ مکان بیچ کر مجھے میرا حصہ دیا جائے، جبکہ میں اپنی زندگی میں اسے اپنے ان مکانوں میں سے کوئی بھی حصہ نہیں دینا چاہتا اور چاہتا ہوں کہ اس کو اپنی زندگی میں ہی عاق کر دوں تاکہ میرے مرنے کے بعد بھی اسے میری وراثت سے کچھ نہ ملے۔ آپ شرعی رہنمائی فرمائیں کہ کیا میرے اس طرح کرنے سے وہ میری وراثت سے محروم ہو گا یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

**الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب**

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنی عبادت کا حکم دینے کے بعد والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم ارشاد فرمایا اور فرمایا ان کو اُف تک بھی نہ کہو، یعنی کوئی ایسا کلمہ بھی اپنی زبان پر نہ لاؤ، جو ان پر گراں گزرے۔ حدیثِ مبارک میں والد کی رضا کو اللہ تعالیٰ کی رضا، والد کی ناراضی کو اللہ تعالیٰ کی ناراضی ارشاد فرمایا۔ والد کی نافرمانی کرنے والا، ان پر ہاتھ اٹھانے والا، گالیاں دینے والا سخت کبیرہ گناہ کا مرتکب، فاسق و فاجر، سخت عذابِ الٰہی کا مستحق ہے، جب تک اپنے والد کو راضی نہ کرلے، اس کا کوئی فرض، نفل بلکہ کوئی بھی نیک عمل قبول نہیں اور معاذ اللہ مرتے وقت کلمہ نصیب نہ ہونے کا خوف ہے۔ ایسے شخص پر لازم ہے کہ فوراً اپنے والد کو راضی کرے، ورنہ دنیا و آخرت میں غضبِ الٰہی کے لئے تیار رہے، نیز شریعت میں **ایسے نافرمان بیٹے کو عاق کہا جاتا ہے**، اگرچہ والد اسے عاق نہ کرے، البتہ جو لوگوں میں

مشہور ہے کہ کوئی والد اپنی اولاد کو عاق کر دے تو اس کو والد کی جائیداد سے کوئی حصہ نہیں ملتا، یہ لوگوں کی گھڑی ہوئی بات ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں، لہذا مذکورہ صورت میں آپ جب تک حیات ہیں، اپنی جائیداد کے مالک ہیں، مذکورہ بیٹے کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے کہ جس کا وہ مطالبہ کرے، البتہ جب آپ کا انتقال ہو جائے اور مذکورہ بیٹا حیات ہو، تو اس صورت میں دیگر ورثاء کے ساتھ وہ بھی آپ کی وراثت میں حصہ دار ہو گا، یہی رب العالمین کا حکم ہے۔ اس کا آپ کی نافرمانی کرنا یا آپ کا اس کو عاق کر دینا، اس کو وراثت سے محروم نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًاؕ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا(۲۳) وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا﴾ ترجمہ کنز الایمان: اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کو نہ پُوجو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر تیرے سامنے ان میں ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں، تو ان سے "ہُوں" نہ کہنا، اور انہیں نہ جھڑکنا، اور ان سے تعظیم کی بات کہنا اور ان کے لئے عاجزی کا بازو بچھا نرم دلی سے اور عرض کر کہ اے میرے رب! تو ان دونوں پر رحم کر جیسا کہ ان دنوں نے مجھے چھٹپن (یعنی بچپن) میں پالا۔

(سورۂ بنی اسرائیل، آیت 23،24)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "رضا الرب فی رضا الوالد، وسخط الرب فی سخط الوالد" یعنی والد کی رضا میں رب کی رضا ہے، والد کی ناراضی میں رب کی ناراضی ہے۔

(سنن الترمذی، حدیث 1907، صفحہ 566، مطبوعہ: بیروت)

ایک اور حدیث پاک میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من الکبائر ان یشتم الرجل والدیہ، قالوا: یارسول اللہ! وھل یشتم الرجل والدیہ؟ قال: نعم، یسب ابا الرجل فیشتم اباہ، ویشتم امہ فیشتم امہ" یعنی کبیرہ گناہوں میں سے یہ ہے کہ کوئی اپنے والدین کو گالی دے، صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ! کیا کوئی شخص اپنے والدین کو گالی دیتا ہے؟ فرمایا: ہاں، یہ کسی کے باپ کو گالی دے تو وہ اس کے باپ کو گالی دے۔ اور یہ کسی کی ماں کو گالی دے تو وہ اس کی ماں کو گالی دے۔ (سنن الترمذی، حدیث 1909، صفحہ 566، مطبوعہ: بیروت)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "فرمایا: ہاں یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ کوئی بیٹا اپنے ماں باپ کو گالی دے۔ سبحان اللہ! وہ زمانہ قدسیوں (پاکیزہ ہستیوں) کا تھا کہ یہ جرم ان کی عقل میں نہ آتا تھا، اب تو کھلم کھلا نالائق

لوگ اپنے ماں باپ کو گالیاں دیتے ہیں، ذرا شرم نہیں کرتے"

(مرآۃ المناجیح، جلد 6، صفحہ 366، حسن پبلشرز، لاہور)

امامِ اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "پسر مذکور، فاسق، فاجر، مرتکبِ کبائر، عاق ہے اور اسے سخت عذاب و غضبِ الٰہی کا استحقاق، باپ کی نافرمانی اللہ جبار و قہار کی نافرمانی ہے اور باپ کی ناراضی اللہ جبار و قہار کی ناراضی ہے، آدمی ماں باپ کو راضی کرے تو وہ اس کے جنت ہیں اور ناراض کرے تو وہی اس کے دوزخ ہیں۔ جب تک باپ کو راضی نہ کرے گا اس کا کوئی فرض، کوئی نفل، کوئی عمل نیک اصلاً قبول نہ ہو گا۔ عذابِ آخرت کے علاوہ دنیا میں ہی جیتے جی سخت بلا نازل ہو گی، مرتے وقت معاذ اللہ کلمہ نصیب نہ ہونے کا خوف ہے"

(فتاوی رضویہ، جلد 24، صفحہ 383، 384، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اولاد کا حصہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿ یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْ ۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ﴾ ترجمہ کنز الایمان: اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں برابر۔

(سورۂ نساء، آیت 11)

امامِ اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "جو شخص فی الواقع عاق ہو تو اس کا اثر امورِ آخرت میں ہے کہ اگر اللہ عزوجل والدین کو راضی کر کے اس کا گناہ معاف نہ فرمائے تو اس کی سزا جہنم ہے، والعیاذ باللہ، مگر میراث پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا، نہ والدین کا لکھ دینا کہ ہماری اولاد میں فلاں شخص عاق ہے ہمارا ترکہ اسے نہ پہنچے اصلاً وجہ محرومی ہو سکتا ہے کہ اولاد کا حقِ میراث قرآن عظیم نے مقرر فرمایا ہے۔۔۔ والدین خواہ تمام جہان میں کسی کا لکھا اللہ عزوجل کے لکھے پر غالب نہیں آسکتا و لہٰذا تمام کتب فرائض وفقہ میں کسی نے اسے موانع ارث سے نہ گنا۔"

(فتاوی رضویہ، جلد 26، صفحہ 181، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــہ

ابو محمد مفتی علی اصغر عطاری مدنی

09 رجب المرجب 1440ھ / 17 مارچ 2019ء

# دارالافتاء اہلسنت (دعوت اسلامی)

Dar-ul-ifta Ahl-e-sunnat

ریفرینس نمبر: Aqs 1624 بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ تاریخ: 07-07-2019

## وراثت کی کرائے پر دی ہوئی مشترکہ دکانوں میں بہنوں کا حق

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے والد صاحب کا انتقال ہو گیا ہے، والد صاحب کی جائیداد، دکانیں وغیرہ کسی کی تقسیم نہیں ہوئی، سب کچھ بھائیوں کے قبضے میں ہے اور بہنوں کے مطالبے پر بھی ان کا حصہ انہیں نہیں دے رہے۔ اب بھائیوں نے بہنوں کی اجازت کے بغیر اپنی مرضی سے کچھ دکانیں کرایہ پر دے دی ہیں، تو ان دکانوں سے آنے والے کرائے پر کس کا حق ہے؟ بہنیں مطالبہ کر سکتی ہیں یا نہیں؟ برائے کرم تفصیل سے رہنمائی فرمادیں۔

نوٹ: تمام ورثاء عاقل بالغ ہیں۔ نیز اگر بہنیں اب اجازت دے دیں، پھر کیا حکم ہو گا؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

**الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب**

شریعت مطہرہ نے وراثت میں بہن بھائیوں کا حصہ مقرر فرمایا ہے۔ بھائیوں کا جائیداد پر قبضہ کر لینا اور بہنوں کو حصہ نہ دینا، ناجائز و حرام ہے۔ ایسے بھائیوں پر لازم ہے کہ دیگر ورثاء، بہنوں وغیرہ کو ان کا مکمل حصہ دیں اور توبہ بھی کریں۔

میراث کے متعلق اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿ یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں، بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔

(پارہ 4، سورۃ النساء، آیت 11)

کسی وارث کی میراث نہ دینے سے متعلق حدیث پاک میں ہے: "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فر من میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ یوم القیامۃ" ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو اپنے وارث کو میراث دینے سے بھاگے، اللہ قیامت کے دن جنت سے اس کی میراث قطع فرمادے گا۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الوصایا، ص 194، مطبوعہ کراچی)

کرائے کے متعلق یہ حکم ہے کہ ورثاء کی رضامندی کے بغیر جن بھائیوں نے وہ دکانیں کرائے پر دیں، ان سے حاصل ہونے والے کرائے کے وہی مالک ہیں، کیونکہ دکانوں کو جنہوں نے کرائے پر دینے کا عقد کیا، وہی کرائے کے مالک ٹھہریں گے۔ بہنوں کو اس کرائے کے مطالبے کا حق نہیں ہے، ہاں جتنا کرایہ بھائیوں کے اپنے حصے کے بدلے میں آتا ہے، وہ ان کے لیے جائز ہے اور دوسروں کے حصے کا کرایہ ان کے حق میں ملک خبیث یعنی ناپاک و حرام ہے، جس کا حکم یہ ہے کہ یا تو فقیرِ شرعی پر بغیر ثواب کی نیت کے صدقہ کر دیں یا ورثاء کو دے دیں اور ورثاء کو دینا افضل ہے۔

مالِ مغصوبہ سے حاصل شدہ نفع اصل مالک کا نہیں ہوتا، بلکہ غاصب کا ہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ ردالمحتار میں ہے: "أن الغلة للغاصب عندنا؛ لأن المنافع لا تتقوم إلا بالعقد والعاقد هو الغاصب ... فكان هو أولى ببدلها، ويؤمر أن يتصدق بها لاستفادتها ببدل خبيث وهو التصرف في مال الغير" ترجمہ: (غصب کی ہوئی چیز سے حاصل شدہ) نفع ہمارے نزدیک غاصب کا ہی ہوگا، کیونکہ منافع عقد کے ساتھ ہی قائم ہوتے ہیں اور عقد کرنے والا (یہاں) وہی غاصب ہے، تو اس کے بدل کا زیادہ حقدار بھی وہی ہوگا، (ہاں) اسے وہ نفع صدقہ کرنے کا حکم دیا جاتا ہے، اس لیے کہ وہ اس کو خبیث بدل کے ذریعے حاصل ہوا ہے اور وہ (خبیث بدل) غیر کے مال میں تصرف کرنا ہے۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الغصب، جلد 9، صفحہ 317، مطبوعہ کوئٹہ)

اعلی حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: "عمارت بعد انتقال خالد زید اور دیگر ورثاء میں مشترکہ ٹھہرے گی، **مگر آمدنی جو زید وسلیمہ نے حاصل کی باقی شرکاء اس کے واپس لینے کا دعویٰ نہیں کرسکتے کہ عقد اجارہ میں جو شخص کسی شیء کو کرایہ پر چلاتا ہے، اجرت کا مالک وہی ہوتا ہے** اگرچہ وہ شے ملک غیر ہی ہو، ہاں اس پر دو باتوں میں سے ایک واجب ہوتی ہے یا تو ملک غیر کی اُجرت اس مالک کو واپس دے اور یہی بہتر ہے یا محتاجوں پر تصدق کر دے کہ اس کے حق میں وہ ملک خبیث ہے۔" (فتاوی رضویہ، ج 19، ص 259، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مزید ایک مقام پر مشترکہ مال سے اجازت کے بغیر ملنے والے نفع سے متعلق فرماتے ہیں: "جبکہ نہ ان لڑکیوں نے اپنا حصہ مانگا نہ لڑکوں نے دیا اور بطور خود اس میں تجارت کرتے رہے تو وہ چاروں لڑکیاں اصل متروکہ میں اپنا حصہ طلب کر سکتی ہیں، تجارت سے جو نفع ہوا، وہ لڑکیاں اس کی مالک نہیں، ہاں ان کے حصہ پر جو نفع ہوا لڑکوں کے لئے ملک خبیث ہے لڑکوں کو جائز نہیں کہ اسے اپنے تصرف میں لائیں، ان پر واجب ہے کہ یا تو وہ نفع فقراء مسلمین پر تصدق کریں یا چاروں لڑکیوں کو دے دیں اور یہی بوجوہ افضل واولی ہے اور ان لڑکیوں کے لئے حلال طیب ہے کہ انہیں کی ملک کا نفع ہے جبکہ لڑکوں پر شرعاً

حرام ہے کہ ان لڑکیوں کے حصہ کا نفع اپنے صرف میں لائیں تو لڑکیوں ہی کو کیوں نہ دیں کہ ان کی دلجوئی ہو، صلہ رحم ہو، صاحب حق کی ملک کا نفع اسی کو پہنچے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔"

(فتاویٰ رضویہ، جلد 26، صفحہ 373، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

اب اگر بہنیں اجازت دے دیں، تو پھر وہ بھی ان بھائیوں کے ساتھ کرائے میں شامل ہو جائیں گی اور کرائے میں سے ان کو حصہ دینا لازم ہو جائے گا، نہ دیا، تو وہ اس کا مطالبہ کر سکتی ہیں، کیونکہ عقدِ اجارہ وقتاً فوقتاً نیا ہوتا رہتا ہے، تو جب ان کی طرف سے اجازت شامل ہو گی، تو اپنے حصے کے نفع کی وہ حقدار ٹھہریں گی، لہٰذا اجازت دینے والا ہر وارث اپنے حصے کے مطابق کل کرایہ کا حقدار ہو گا۔

سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت علیہ الرحمۃ عقدِ اجارہ کے فوقتاً فوقتاً نئے ہونے کے متعلق فرماتے ہیں: "عقد اجارہ وقتاً فوقتاً نیا ہوتا ہے کہ منفعت بتدریج پیدا ہوتی ہے۔ اسی تدریج سے اجارہ تجدید پاتا ہے۔ بدائع میں ہے:" الطاری فی باب الاجارۃ مقارن لان المعقود علیہ المنفعۃ وانھا تحدث شیئاً فشیئاً فکان کل جزء یحدث معقوداً علیہ مبتدأ" (ترجمہ:) اجارہ کے باب میں مقارنت طاری ہوتی ہے کیونکہ اس میں معقود علیہ منفعت ہوتی ہے اور وہ وقتاً فوقتاً بتدریج پیدا ہوتی رہتی ہے، چنانچہ منفعت کی ہر جز جو پیدا ہوتی ہے، وہ نئے سرے سے معقود علیہ بنتی ہے۔ ہدایہ میں ہے:" الاجارۃ تنعقد ساعۃ فساعۃ حسب حدوث المنفعۃ" (ترجمہ:) اجارہ وقتاً فوقتاً منفعت کے پیدا ہونے کے مطابق منعقد ہوتا ہے۔"

(فتاویٰ رضویہ، جلد 25، صفحہ 289، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

ایک شریک دوسرے کی اجازت کے بغیر مالِ مشترک کرایہ پر دے دے اور دوسرا بعد میں اجازت دے دے، تو اس کے متعلق درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام میں ہے:" توجد أربع صور في إيجار المال المشترك: الصورة الأولى - أن يؤجر الملك المشترك بلا إذن الشريك وينقضي جميع مدة الإيجار الصورة الثانية - أن يؤجر الملك المشترك بلا إذن الشريك وينقضي ثلث مدة الإجارة۔۔۔ الصورة الثالثة - أن يؤجر المال المشترك بلا إذن الشريك ويجيز الشريك الآخر تلك الإجارة قبل انقضاء أي مدة من مدة الإجارة. الصورة الرابعة - أن يؤجر المال المشترك بلا إذن الشريك وبعد انقضاء ثلث مدة الإجارة يجيز الشريك الآخر الإجارة في المدة الباقية أي في الثلثين، ففي الصورة الثالثة يلزم إعطاء حصة الشريك الغير المؤجر من بدل الإجارة أي كل حصته في الصورة الثالثة. وحصته عن المدة الباقية في الصورة الرابعة "ترجمہ: مالِ مشترک کو کرائے پر دینے کی چار صورتیں

ہیں۔(1) شریک کی اجازت کے بغیر ملکِ مشترک کرائے پر دی جائے اور کرائے کی تمام مدت گزر جائے۔(2) ملکِ مشترک شریک کی اجازت کے بغیر کرائے پر دی جائے اور کرائے کی تہائی مدت گزر جائے۔ (3) شریک کی اجازت کے بغیر مالِ مشترک کرائے پر دیا جائے اور دوسرا شریک اس کرائے کی کچھ بھی مدت گزرنے سے پہلے اس کی اجازت دے دے۔(4) شریک کی اجازت کے بغیر مالِ مشترک کرائے پر دے دیا اور دوسرے شریک نے باقی یعنی دو تہائی مدت میں اس کی اجازت دے دی۔ تیسری صورت میں ہر اس شریک کا حصہ، جس نے کرائے پر نہیں دیا تھا، (اس کو اس کا) حصہ کرایہ میں سے دینا لازم ہو گا۔یعنی تیسری صورت میں پورا حصہ اور چوتھی صورت میں باقی مدت کا حصہ دینا لازم ہو گا۔

(درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام، الکتاب العاشر الشرکات، المادۃ 1077، جلد 3، صفحہ 29، 30، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــه

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

ابو حذیفہ محمد شفیق عطاری مدنی

03 ذیقعدۃ الحرام 1440ھ/07 جولائی 2019ء

الجواب صحیح

مفتی محمد قاسم عطاری

# دارالافتاء اہلسنت (دعوت اسلامی)

Dar-ul-ifta Ahl-e-sunnat

ریفرینس نمبر:FMD-0997 بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ تاریخ:19-07-2018

## زندگی میں وراثت تقسیم کرنا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس بارے میں کہ میرے والد محترم کی ملکیت میں 45لاکھ روپے کی مالیت کا ایک مکان ہے، جسے وہ فروخت کرکے اس کی رقم بچوں میں شرعی طریقہ کار کے مطابق تقسیم کرنا چاہ رہے ہیں۔ہم پانچ بھائی اور تین بہنیں ہیں اور ہماری والدہ بھی حیات ہیں۔ارشاد فرمائیں کہ ہر بھائی اور ہر بہن کو شرعی اعتبار سے کتنی رقم ملے گی؟نیز میرے والد صاحب اپنے لیے اور میری والدہ کے لیے کتنی رقم رکھ سکتے ہیں؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

جب تک کوئی شخص زندہ ہو، اس وقت تک اس کے مال میں کسی کا ازروئے ترکہ کوئی حق نہیں ہوتا کہ وراثت کا معاملہ بعدِ وفات ہوتا ہے نہ کہ حیات میں۔اس لیے ازروئے قضا بیٹا ہو یا بیٹی، کسی کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے باپ یا ماں کی حیات میں ان سے وراثت طلب کرے اور اس طرح مطالبے سے اگر ان کو اذیت پہنچتی ہو، تو اولاد کے لیے ایسا مطالبہ کرنا بھی ناجائز و حرام ہے کہ وہی سارے مال کے مالک ہیں۔اگر وہ اپنے کسی بیٹے یا بیٹی کو کچھ بھی نہ دیں، تو اس صورت میں وہ گنہگار نہیں ہوں گے۔

البتہ اگر آپ کے والد اپنی خوشی سے اپنی زندگی میں ہی اس مکان کو فروخت کرکے اس کی رقم تقسیم کرنا چاہیں، تو اپنے لیے اور آپ کی والدہ کے لیے جتنی رقم رکھنا چاہیں، رکھ سکتے ہیں۔اس کے بعد جتنا مال اولاد میں تقسیم کرنا چاہیں، تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ کہ لڑکے اور لڑکی کا فرق کیے بغیر سب کو برابر دیا جائے اور یہ طریقہ زیادہ بہتر ہے۔

دوسرا طریقہ یہ بھی اختیار کیا جاسکتا ہے کہ لڑکے کو لڑکی سے ڈگنا دیا جائے۔یہ بھی جائز ہے۔

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن ارشاد فرماتے ہیں "مذہبِ مفتی بہ پر افضل یہی ہے کہ بیٹوں بیٹیوں سب کو برابر دے۔ یہی قول امام ابویوسف کا ہے اور "لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ" دینا بھی، جیسا کہ قول امام محمد رحمہ اللہ کا ہے، ممنوع وناجائز نہیں اگرچہ ترکِ اولیٰ ہے۔ ردالمحتار میں علامہ خیر الدین رملی سے ہے: "الفتوی علی قول ابی یوسف من ان التنصیف بین الذکر والانثی افضل من التثلیث الذی ھو قول محمد" (فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے یعنی لڑکے لڑکی دونوں کو برابر، برابر دیا جائے، یہ بہتر ہے لڑکے کو لڑکی سے دُگنا دینے والے قول سے اور یہ قول امام محمد علیہ الرحمۃ کا ہے۔ مترجم)

حاشیۂ طحطاوی میں فتاویٰ بزازیہ سے ہے: "الافضل فی ھبۃ البنت والابن التثلیث کالمیراث وعند الثانی التنصیف وھو المختار" (یعنی بیٹے اور بیٹی کو دینے میں افضل وراثت والا طریقہ ہے، جبکہ امام ابویوسف علیہ الرحمۃ کے نزدیک برابر دینا اولیٰ ہے اور یہی قول مختار ہے۔ مترجم)

بالجملہ خلاف افضلیت میں ہے اور مذہبِ مختار پر اولیٰ تسویہ (یعنی برابر، برابر)، ہاں اگر بعض اولاد فضل دینی میں بعض سے زائد ہو، تو اس کی ترجیح میں اصلاً باک نہیں۔

**(فتاوی رضویہ، ج19، ص231، رضافاؤنڈیشن لاہور)**

**واللہ اعلم** عزوجل **ورسولہ اعلم** صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم

**کتبــــــــــــــــــــہ**

**عبدہ المذنب ابو الحسن فضیل رضا عطاری** عفاعنہ الباری

05 ذو القعدۃ الحرام 1439ھ / 19 جولائی 2018ء

ریفرنس نمبر: Sar6311	بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ	تاریخ: 18-09-2018

# بیٹیوں کو حصہ نہ دینا کیسا ؟

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ان مسائل کے بارے میں کہ

1. ہمارے ہاں میراث میں بہنوں کو حصہ نہیں دیا جاتا بلکہ سارا مال بھائی ہی لے لیتے ہیں، ایسا کرنا کیسا ہے؟
2. اگر کسی کے ہاں بہنیں مطالبہ نہ کرتی ہوں اور نہ ہی بہنوں کو دینے کا رواج ہو، تو کیا اس رسم و رواج پر عمل کیا جا سکتا ہے؟
3. اگر بہنیں اپنا حصہ معاف کر دیں اور بھائیوں کو کہہ دیں کہ ہم نے اپنا حصہ نہیں لینا، تو کیا حکم ہے؟
4. اگر بہنیں اپنا حصہ بھائیوں کو ہبہ کرنا چاہیں، تو کیا طریقہ کار ہے؟
5. اگر بہنیں بھائیوں کو ہبہ کر دیں، تو کیا اس ہبہ سے رجوع کر سکتی ہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

(1) میراث میں بہنوں کو شرعی حصہ سے محروم رکھنا اور بھائیوں کا سارے مال پر قبضہ کر لینا شدید حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔

میراث کے متعلق اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین﴾ ترجمہ کنزالایمان: اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں، بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔

(پارہ 4، سورۃ النساء، آیت 11)

کسی وارث کی میراث نہ دینے سے متعلق حدیث پاک میں ہے: "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فر من میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ یوم القیامۃ" ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو اپنے وارث کو میراث دینے سے بھاگے، اللہ قیامت کے دن جنت سے اس کی میراث قطع فرمادے گا۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الوصایا، ص194، مطبوعہ کراچی)

میراث میں بہنوں کو حصہ نہ دینے کے متعلق اعلی حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن ارشاد فرماتے ہیں: "لڑکیوں کو حصہ نہ دینا حرام قطعی ہے اور قرآن مجید کی صریح مخالفت ہے۔ قال اللہ تعالی ﴿یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین﴾ ترجمہ: فرمان باری تعالیٰ ہے: اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں، بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔

(فتاوی رضویہ، ج26، ص314، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

(2) اگرچہ بہنیں اپنے حصے کا مطالبہ نہ کریں، تب بھی ان کا شرعی حصہ دینا ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے شریعت میں ان کا حصہ مقرر کیا ہے، لہذا حکم شریعت کے خلاف ایسے رسم ورواج پر عمل حرام ہے۔

اعلی حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن ارشاد فرماتے ہیں: "اِرث (یعنی وارث ہونا) جبری (لازمی) ہے کہ موتِ مورث پر ہر وارث خواہ مخواہ اپنے حصہ شرعی کا مالک ہوتا ہے مانگے خواہ نہ مانگے، لے یا نہ لے، دینے کا عرف ہو یا نہ ہو اگرچہ کتنی ہی مدت ترک کو گزر جائے؛ کتنے ہی اشتراک در اشتراک کی نوبت آئے؛ اصلا کوئی بات میراثِ ثابت کو ساقط نہ کرے گی؛ نہ کوئی عرف فرائض اللہ کو تغیر کرسکتا ہے، یہاں تک کہ نہ مانگنا درکنار اگر وارث صراحۃ کہہ دے کہ میں نے اپنا حصہ چھوڑ دیا، جب بھی اس کی ملک زائل نہ ہوگی۔"

(فتاوی رضویہ، جلد26، صفحہ113، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

(3) میراث اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا حق ہے، لہذا اگر کوئی بہن یہ کہہ دے کہ میں نے اپنا حصہ نہیں لینا، تو بھی اس کا حصہ ساقط نہیں ہوگا۔ علامہ ابن نجیم مصری علیہ رحمۃ اللہ القوی ارشاد فرماتے ہیں: "لو قال الوارث ترکت حقی لم یبطل حقہ اذ الملک لا یبطل بالترک "ترجمہ: اگر وارث نے کہا کہ میں نے اپنا حق چھوڑ دیا ہے، تو اس کا حق باطل نہیں ہوگا، کیونکہ ملک چھوڑ دینے سے باطل نہیں ہوتی۔

(الاشباہ والنظائر، الفن الثالث، ج1، ص272، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

اس کے تحت غمز العیون میں ہے: "اعلم ان الاعراض عن الملک او حق الملک ضابطہ انہ ان کان ملکا لازما لم یبطل بذلک کما لو مات عن ابنین فقال احدھما ترکت نصیبی من المیراث لم یبطل لانہ لازم لا یترک بالترک" ترجمہ: جان لو کہ ملکیت یا حقِ ملکیت سے اعراض کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر ملکیت لازم ہو تو وہ اِعراض کرنے سے باطل نہیں ہوگی۔ جیسے اگر کوئی شخص دو بیٹے چھوڑ کر فوت ہوا اور ان میں سے ایک نے کہا کہ

میں نے میراث میں سے اپنا حصہ چھوڑ دیا، تو اس کا حصہ باطل نہیں ہو گا، کیونکہ یہ ایسا لازم حق ہے، جو چھوڑ دینے سے ترک نہیں ہوتا۔

(غمز العیون، ج3، ص354، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

فتاوی رضویہ میں ہے: "میراث حقِ مقرر فرمودۂ رب العزۃ جل وعلا ہے، جو خود لینے والے کے اسقاط سے ساقط نہیں ہو سکتا بلکہ جبرا (لازمی) دلایا جائے گا اگرچہ وہ لاکھ کہتا رہے مجھے اپنی وراثت منظور نہیں؛ میں حصہ کا مالک نہیں بنتا؛ میں نے اپنا حق ساقط کیا، پھر دوسرا کیونکر ساقط کر سکتا ہے؟"

(فتاوی رضویہ، ج18، ص168، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

(4) اگر بغیر کسی کے مجبور کیے اپنی خوشی سے کوئی بہن ہبہ کرنا چاہے، تو اپنے حصے میں سے جس جس کو جتنا مال ہبہ کرنا چاہے، ان میں تقسیم کرنے کے بعد اس حصے کی تعیین کر کے مکمل قبضہ دلا دے، تو یہ ہبہ درست ہو جائے گا کہ اپنی شے دوسرے کو تحفہ دینے کا اختیار ہونا، تو ملکیت کی دلیل وعلامت ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ہمیشہ بہنیں ہی بھائیوں کو وراثت کی چیزیں ہبہ کرتی ہیں، کبھی الٹ بھی ہونا چاہیے کہ بھائی بھی اپنی وراثت کا حصہ بہنوں کو تحفہ دیدیں ہمیشہ بہنوں ہی کا بھائیوں کو تحفہ دینا اُسی رسم ورواج کی طرف اشارہ ہوتا ہے، اگرچہ بغیر مجبوری کے تحفہ دے دینا جائز ہے۔

ہبہ کی شرائط بیان کرتے ہوئے علامہ علاؤالدین محمد بن علی حصکفی (المتوفی 1088ھ) فرماتے ہیں: "شرائط صحتھا فی الموھوب ان یکون مقبوضا غیر مشاع ممیزا غیر مشغول" ترجمہ: ہبہ کے صحیح ہونے کے لیے موہوب میں یہ شرط ہے کہ موہوب پر قبضہ کر لیا گیا ہو، موہوب مشاع (مخلوط ملکیت) نہ ہو، ممیز وجدا ہو (موہوب لہ کے علاوہ کسی کی ملک میں) مشغول نہ ہو۔

(درمختار، کتاب الھبۃ، ج8، ص569، مطبوعہ کوئٹہ)

ہبہ کے طریقے کے متعلق اعلی حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن ارشاد فرماتے ہیں: "تمامی ہبہ کے لیے واہب کا موہوب لہ کو شے موہوب پر قبضہ کاملہ دلانا شرط ہے۔ قبضہ کاملہ کے یہ معنی کہ وہ جائداد یا تو وقت ہبہ ہی مشاع نہ ہو (یعنی کسی اور شخص کی ملک سے مخلوط نہ ہو۔۔) اور واہب اس تمام کو موہوب لہ کے قبضہ میں دے دے یا مشاع ہو، تو اس قابل نہ ہو کہ اسے دوسرے کی ملک سے جدا ممتاز کر لیں، تو قابلِ انتفاع رہے۔ جیسے ایک چھوٹی سی دکان دو شخصوں میں مشترک کہ آدھی الگ کرتے ہیں، تو بیکار ہوئی جاتی ہے، ایسی چیز کا بلا تقسیم قبضہ دلا دینا بھی کافی

وکامل سمجھا جاتا ہے یا مشاع قابل تقسیم بھی ہو، تو واہب اپنی زندگی میں جدا و منقسم کر کے قبضہ دے دے کہ اب مشاع نہ رہی۔ یہ تینوں صورتیں قبضہ کاملہ کی ہیں۔"

**(فتاوی رضویہ ج 19، ص 219، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)**

(5) اگر کسی بہن نے کچھ مال اپنے سگے بھائی کو ہبہ کر دیا، تو اسے واپس نہیں لے سکتی، کیونکہ قرابت رجوع سے مانع ہے، لیکن یہ اسی صورت میں ہے، جب شرعی تقاضوں کے مطابق ہبہ تام ہو چکا ہو۔

ہبہ سے رجوع کرنے کے متعلق فتاوی عالمگیری میں ہے: "لا یرجع فی الھبۃ من المحارم بالقرابۃ کالاباء والامھات۔۔ وکذلک الاخوۃ والاخوات" ترجمہ: (ذی رحم) محارم والی قرابت جیسے ماں باپ بھائی بہن وغیرہ میں سے کسی کو ہبہ کرنے کے بعد رجوع نہیں کیا جا سکتا۔

**(فتاوی عالمگیری، کتاب الھبۃ، ج 4، ص 387، مطبوعہ کوئٹہ)**

**واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم**

**کتبــــــــــــــــہ**

**ابو الصالح محمد قاسم قادری**

**07 محرم الحرام 1440ھ/18 ستمبر 2018ء**

# جائیداد میں لڑکیوں کو عاق کرنا کیسا؟

دارالافتاء اہلسنت (دعوتِ اسلامی)
Darul Ifta AhleSunnat

1

ریفرنس نمبر: Pin 6524 تاریخ: 13-06-2020

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ کیا جائیداد میں لڑکیوں کو عاق کیا جا سکتا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللّٰھم ھدایۃ الحق و الصواب

"عاق" نافرمانی کرنے والے کو کہتے ہیں، جو والدین کی نافرمانی کرتا ہے، وہ خود ہی عاق و گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے، والدین کے عاق کرنے کا اس میں کوئی دخل نہیں، لیکن عاق کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ اس کو وراثت میں سے حصہ نہیں ملے گا، آج کل لوگ اپنی اولاد کو عاق کہہ کر وراثت سے محروم کر دیتے ہیں، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں اور نہ ہی اس وجہ سے کوئی شرعی وارث وراثت سے محروم ہو گا، بلکہ ایسا کرنے والا شخص گنہگار ہو گا، کیونکہ وراثت شریعت کا مقرر کردہ حق ہے، جو کسی کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہو سکتا، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں لڑکا ہو یا لڑکی، اسے اپنی وراثت سے عاق کرنا شرعاً جائز نہیں ہے اور کسی کے کہنے سے وہ اپنے حصے سے محروم بھی نہیں ہوں گے، بلکہ شرعی طور پر ان کا جتنا حصہ بنتا ہے، وہ اس کے مستحق ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿ یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْۗ-لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں، بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔ (پارہ 4، سورۃ النساء 4، آیت 11)

وارث کو وراثت سے محروم کرنے کے متعلق حدیث مبارک میں ہے: "من قطع میراثا فرضہ اللہ قطع اللہ بہ میراثا من الجنۃ" ترجمہ: جس نے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ میراث کو کاٹا، اللہ تعالیٰ اس وجہ سے جنت میں سے اس کی میراث کو کاٹے گا۔
(شعب الایمان، ج10، ص340، الرقم 7594، مطبوعہ الریاض)

علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "الارث جبری لا یسقط بالاسقاط" ترجمہ: وراثت جبری ہے، کسی کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہو سکتی۔ (العقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ، ج2، ص51، دار المعرفۃ، بیروت)

امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ اس طرح کے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: "صورتِ مذکورہ میں عمر ضرور عاق و فاسق و مستحق عذاب النار ہے، مگر عقوق بمعنیٰ ارث نہیں۔" ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ "(ترجمہ) بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے۔ نہ عاق کر دینا شرع میں کوئی اصل رکھتا ہے، نہ اس سے میراث ساقط

ہو۔" (فتاوی رضویہ، ج26، ص362، رضافاؤنڈیشن، لاھور)

ایک اور مقام پر امام اہلسنت علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں: "رہا باپ کا اسے اپنی میراث سے محروم کرنا، وہ اگر یوں ہو کہ زبان سے لاکھ بار کہے کہ میں نے اسے محروم الارث کیا یا میرے مال میں اس کا کچھ حق نہیں یا میرے ترکہ سے اسے حصہ نہیں دیا جائے گا یا خیالِ جہال کا وہ لفظ بے اصل کہ میں نے اسے عاق کیا یا انہیں مضامین کی لاکھ تحریریں لکھے، رجسٹریاں کرائے یا اپنا کل مال اپنے فلاں وارث یا کسی غیر کو ملنے کی وصیت کر جائے، ایسی ہزار تدبیریں ہوں، کچھ کار گر نہیں، نہ ہر گز وہ ان وجوہ سے محجوب الارث (وراثت سے محروم) ہو سکے کہ میراث حق مقرر فرمودہ رب العزۃ جل وعلا (اللہ رب العزۃ جل جلالہ کی طرف سے مقرر کردہ حق) ہے، جو خود لینے والے کے اسقاط (ساقط کرنے) سے ساقط نہیں ہو سکتا، بلکہ جبراً (زبردستی) دلایا جائے گا، اگرچہ وہ لاکھ بار کہتا رہے مجھے اپنی وراثت منظور نہیں، میں حصہ کا مالک نہیں بنتا، میں نے اپنا حق ساقط کیا، پھر دوسرا کیونکر ساقط کر سکتا ہے۔" (فتاوی رضویہ، ج18، ص168، رضافائونڈیشن، لاھور)

نیز اسی طرح اپنی جہالت یا رسم و رواج کی وجہ سے لڑکیوں کو ان کا حصہ نہ دینا جیسا کہ بعض جگہ لڑکیوں کو مطلقاً ان کا حصہ دیا ہی نہیں جاتا، یہ بھی حرام و گناہ اور جہنم میں لے جانے والا کام ہے کہ یہ کسی کے مال کو ناحق و باطل طور پر کھانے کی ایک صورت اور کفار کا طریقہ ہے۔

کسی کا مال ناحق و باطل طور پر کھانا، ناجائز و گناہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ۔

(پارہ5، سورۃالنساء، آیت29)

کسی کی میراث کا مال کھا جانا کفار کا طریقہ ہے۔ چنانچہ کفار کی اس بری خصلت کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَ تَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۝ وَّ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور میراث کا مال ہپ ہپ کھاتے ہو اور مال کی نہایت محبت رکھتے ہو۔ (پارہ30، سورۃالفجر، آیت20تا19)

**واللہ اعلم** عزوجل **ورسولہ اعلم** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

**کتبــــــــــــہ**

**مفتی محمد قاسم عطاری**

21شوال المکرم1441ھ13جون2020ء

داُرالافتاءاہلسنّت (دعوتِ اسلامی)
Darul Ifta AhleSunnat

# بیٹی کو وراثت سے حصہ نہ دینا کیسا؟

1

ریفرنس نمبر: Lar10388 تاریخ: 25-01-2021

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ زید کا انتقال ہوا، اس نے ورثاء میں تین بیٹے اور دو بیٹیاں چھوڑیں، جبکہ اس کے والدین، زوجہ، دادا، دادی اور نانی اس کی حیات میں ہی انتقال کر گئے تھے، اس کے بعد اس کے بیٹوں میں سے دو کا انتقال ہوا، جائیداد اب بیٹوں کی اولاد کے پاس ہے، اب تک سب لوگ ان سے حصہ لے چکے ہیں، صرف زید کی بیٹیوں میں سے ایک بیٹی ہندہ کا حصہ اس کے بھتیجوں کے قبضہ میں ہے، جو خاندانی دشمنی کے باعث اسے نہیں دے رہے۔ ہندہ کے حصے میں کئی ایکڑ زمین آتی ہے، لیکن جن رشتہ داروں کے پاس ہے، وہ بار بار مطالبے کے باوجود بھی حصہ نہیں دے رہے۔ شرعی رہنمائی فرمائیں اس طرح کرنا کیسا ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

وراثت میں ملنے والی جائیداد میں سے کسی وارث کا بلاوجہ اپنے شرعی حصے سے زیادہ حصہ لینا، دوسرے ورثاء کے حصے خود رکھ لینا اور دوسرے ورثاء کو ان کے شرعی حصے سے محروم کرنا ظلم و غصب ہے، جو سخت ناجائز و حرام اور احکامِ الٰہیہ کی صریح خلاف ورزی ہے۔ ایسے افراد کے لیے قرآن و حدیث میں سخت وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔ لہذا جو ورثاء ہندہ کے حصے پر قابض ہیں، ان پر فرض ہے کہ ہندہ کا جو حصہ بنتا ہے مالکانہ حقوق کے ساتھ اس کے سپرد کر دیں کہ غیر کی ملک میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا حرام ہے۔ نیز اس کے حصے پر ناحق قبضہ کر کے جو اذیت پہنچائی، اس کی معافی بھی مانگیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بھی اپنے اس حرام فعل سے توبہ کریں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ﴿وَ تَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ، وَّ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا﴾ ترجمہ کنزُالعِرفان: ”اور میراث کا سارا مال جمع کر کے کھا جاتے ہو اور مال سے بہت زیادہ محبت رکھتے ہو۔“ (پارہ 30، سورۃ الفجر، آیت 19، 20)

تفسیر صراط الجنان میں ہے: ” ﴿وَ تَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا: **اور میراث کا سارا مال جمع کر کے کھا جاتے ہو۔**﴾ یہاں کفار کی تیسری خرابی اور ذلت کا بیان ہے کہ تم میراث کا مال کھا جاتے ہو اور حلال و حرام میں تمیز نہیں کرتے اور عورتوں اور بچوں کو وراثت کا حصہ نہیں دیتے، بلکہ اُن کے حصے خود کھا جاتے ہو، جاہلیّت میں یہی دستور تھا۔ **اس بیان کردہ ظلم میں**

بہت سی صورتیں داخل ہیں اور فی زمانہ جو چچا تایا قسم کے لوگ یتیم بھتیجوں کے مال پر قبضہ کرلیتے ہیں یا روٹین میں جو بہنوں، بیٹیوں یا پوتیوں کو وراثت نہیں دی جاتی وہ بھی اسی میں داخل ہے کہ شدید حرام ہے۔''

(تفسیر صراط الجنان، جلد10، صفحہ668، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

میراث کے احکام کو تفصیلاً بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ یُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِیْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ﴾ ترجمہ کنزالعرفان: ''یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرے تو اللہ اسے جنتوں میں داخل فرمائے گا، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی (تمام) حدوں سے گزر جائے، تو اللہ اسے آگ میں داخل کرے گا، جس میں (وہ) ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔'' (پارہ4، سورۃ النساء، آیت13،14)

ناحق کسی کی زمین دبالینے کے حوالے سے حدیثِ پاک میں آتا ہے، چنانچہ حضرت محمد بن ابراہیم روایت کرتے ہیں: ''عن أبي سلمة بن عبد الرحمن، وكانت بينه وبين أناس خصومة في أرض، فدخل على عائشة فذكر لها ذلك، فقالت: يا أبا سلمة، اجتنب الأرض، فإن رسول اللہ صلى اللہ عليه وسلم قال: من ظلم قيد شبر طوقه من سبع أرضين ''یعنی حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان کا کچھ لوگوں کے ساتھ کسی زمین کا جھگڑا تھا۔ انہوں نے حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس حاضر ہو کر یہ بات ذکر کی، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: اے ابو سلمہ! زمین سے اجتناب کرو کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: جس نے ایک بالشت بھر زمین دبانے کا ظلم کیا اس زمین کا اتنا حصہ سات زمینوں تک کا طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔

(صحیح البخاری، کتاب المظالم والقصاص، باب اثم من ظلم شیأمن الارض، جلد1، صفحہ432، مطبوعہ لاہور)

حضرت سالم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: ''من أخذ شيأ من الأرض بغير حقه خسف به يوم القيمة إلى سبع أرضين ''یعنی جس نے کسی کی زمین میں سے کچھ بھی ناحق لے لیا قیامت کے دن زمین کے ساتویں طبق تک دھنسا دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری، کتاب المظالم والقصاص، باب اثم من ظلم شیأمن الارض، جلد1، صفحہ432 مطبوعہ لاہور)

سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اس طرح کی احادیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''حدیثیں اس باب میں

متواتر ہیں۔۔۔ اللہ قہار وجبار کے غضب سے ڈرے، ذرا من، دو من، نہیں، بیس پچیس سیر ہی مٹی کے ڈھیلے گلے میں باندھ کر گھڑی دو گھڑی لئے پھرلے۔ اس وقت قیاس کرے کہ اس ظلم شدید سے باز آنا آسان ہے یا زمین کے ساتویں طبقوں تک کھود کر قیامت کے دن تمام جہان کا حساب پورا ہونے تک گلے میں، معاذاللہ یہ کروڑوں من کا طوق پڑنا اور ساتویں زمین تک دھنسا دیا جانا، والعیاذ باللہ تعالیٰ۔" (فتاوی رضویہ، جلد19، صفحہ665، رضافاونڈیشن، لاہور)

بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع میں ہے:"لا یجوز التصرف فی ملک الغیر بغیر إذنہ" ترجمہ: غیر کی ملک میں اُس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا، جائز نہیں ہے۔

**(بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل بیان شرائط الجواز والنفاذ، جلد2، صفحہ234، مطبوعہ بیروت)**

امام اہلسنت، اعلیٰ حضرت، الشاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کسی کی زمین دبانے سے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:"صورت مستفسرہ میں عمرو اور اس کے ساتھی سب ظالم اور مرتکب کبیرہ و مستحق عذاب شدید ہیں۔۔ زید پر فرض ہے کہ بکر کی زمین اسے واپس دے اور زید و عمرو اور اس کے سب معاونوں پر فرض ہے کہ بکر کو راضی کریں اور اس سے اپنا قصور معاف کرائیں، ورنہ روز قیامت اس کے مستحق ہوں گے کہ ان کی نیکیاں بکر کو دی جائیں، بکر کے گناہ ان کے سر پر رکھے جائیں اور یہ جہنم میں ڈال دئے جائیں۔"

**(فتاوی رضویہ، جلد19، صفحہ671، رضافاؤنڈیشن، لاہور)**

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

**الجواب صحیح**
**مفتی ابو الحسن محمد ھاشم خان عطاری**

**کتبـــــــــــــہ**
**المتخصص فی الفقہ الاسلامی**
**ابو واصف محمد آصف عطاری**
11 جمادی الاخری 1442ھ/25 جنوری 2021ء

# وصیت کی شرعی حیثیت

1

ریفرنس نمبر:aqs 2017 تاریخ:16-03-2021

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ کچھ لوگ اپنی زندگی میں کسی نیک کام سے متعلق وصیت کر جاتے ہیں کہ ان کے مرنے کے بعد ان کا مال فلاں نیک کام مثلا: مسجد مدرسے، دینی طالبِ علم یا کسی غریب یتیم کی مدد میں خرچ کر دیا جائے، پوچھنا یہ ہے کہ کیا اسلام ہمیں اس چیز کی اجازت دیتا ہے کہ ہم اپنی زندگی میں ہی اپنے مال کے بارے میں کوئی وصیت کر جائیں کہ ہمارے فوت ہونے کے بعد ہمارا یہ مال کسی نیک کام میں یا صدقہ جاریہ کے طور پر خرچ کر دیا جائے؟ اگر اسلام اس کی اجازت دیتا ہے، تو اس کی مقدار کیا ہے؟ یعنی کس حد تک ہم اپنے مال سے وصیت کر سکتے ہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

اسلام اپنے ماننے والوں کی دنیا و آخرت دونوں جہاں کی مصلحتوں کا خیال رکھتا ہے۔ ان کی دنیا بھی سنوارتا ہے اور آخرت کی دائمی زندگی بہتر بنانے کے طریقے بھی سکھاتا ہے۔ اسی لیے قرآن وحدیث میں بارہا اس چیز پر ابھارا گیا کہ اپنی آنے والی دائمی زندگی کے لیے جمع کرو۔ ایک جگہ یوں سمجھایا کہ انسان کے صرف تین ہی مال ہیں: ایک جو کھا کر ختم کر دیا، دوسرا جو پہن کر پرانا کر دیا اور تیسرا جو صدقہ کر کے آخرت کے لیے ذخیرہ کر لیا۔ وصیت کی اجازت دے کر شریعت نے آدمی کی بہت سے جائز خواہشات اور اخروی حاجات کی تکمیل کا ذریعہ بنایا ہے، کیونکہ وصیت میں بعض اوقات انسان کسی دوست، رشتے دار کے فائدے کا کوئی کام کرتا ہے، جو فی نفسہٖ جائز و مباح ہے اور وصیت میں خصوصاً نیکی کے کاموں کی تاکید کی جاتی ہے، جیسے مسجد، مدرسے، دین یا غریب، یتیم کی خدمت وغیرہ۔

**وصیت کرنے کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کے وصیت کرنے سے کہ وصیت کا مال نکال کر باقی ورثاء میں تقسیم کریں گے، تو ورثاء تنگدست ہو جائیں گے، تو بہتر ہے کہ وصیت نہ کرے ورنہ اس کے لیے وصیت کرنا مستحب، عظیم اجر و ثواب کا کام ہے اور شرعاً اس کی مقدار یہ ہے کہ بندہ اپنے مال میں سے ایک تہائی حصے کی وصیت کر سکتا ہے۔** ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت معتبر نہیں ہوتی۔ اسی طرح جو شخص پہلے سے ہی وراثت کا حق دار بن رہا ہو، اس کے لیے کی گئی وصیت بھی معتبر نہیں ہوتی، البتہ اگر کسی شخص نے ایک تہائی سے زیادہ کی یا کسی وارث کے لیے وصیت کی اور اُس کے فوت ہونے کے بعد تمام ورثاء تہائی سے زیادہ یا وارث کے لیے کی گئی وصیت نافذ کرنے کی اجازت دے دیں اور وہ سب اجازت دینے کے اہل بھی ہوں، تو یہ وصیتیں بھی قابلِ عمل ہوں گی۔

ان احکام کے متعلق قرآن وحدیث کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یقول ابن آدم

مالي مالي قال وهل لک یا ابن آدم من مالک إلا ما أکلت فأفنیت أو لبست فأبلیت أو تصدقت فأمضیت" ترجمہ: انسان "میرا مال میرا مال" کرتا ہے مگر تمہارے مال سے وہ ہے، جو تو نے کھالیا وہ ختم ہو گیا اور جو پہن لیا وہ پرانا ہو گیا، جو راہِ خدا میں خرچ کیا وہی باقی رہا۔ (الصحیح لمسلم، کتاب الزھد والرقاق، جلد2، صفحہ407، مطبوعہ کراچی)

وصیت کی اہمیت سے متعلق بخاری شریف میں حدیثِ پاک ہے: "أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما حق امرئ مسلم له شيء یوصي فیه یبیت لیلتین إلا ووصیته مکتوبة عنده "ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی مسلمان کے لیے یہ مناسب نہیں کہ اس کے پاس کوئی قابلِ وصیت چیز ہو اور وہ وصیت لکھے بغیر دو راتیں گزار لے۔

(صحیح البخاری، کتاب الوصایا، جلد2، صفحہ382، مطبوعہ کراچی)

ایک اور حدیثِ پاک میں ہے کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: "من مات علی وصیة مات علی سبیل وسنة ومات علی تقی وشهادة ومات مغفورا له "ترجمہ: جو وصیت کرنے کے بعد فوت ہوا، وہ سیدھے راستے اور سنت پر فوت ہوا اور اس کی موت تقویٰ اور شہادت پر ہوئی اور اس حالت میں مرا کہ اس کی مغفرت ہو گئی۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الوصایا، باب الحث علی الوصیة، صفحہ194، مطبوعہ کراچی)

ایک حدیثِ پاک میں وصیت کا تفصیلی واقعہ مذکور ہے، چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "عادني رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وأنا مریض فقال أوصیت قلت نعم قال بکم قلت بمالي کله في سبیل اللہ قال فما ترکت لولدک قلت هم أغنیاء بخیر قال أوص بالعشر فما زلت أناقصه حتی قال أوص بالثلث والثلث کثیر" ترجمہ: میں بیمار تھا کہ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام میری عیادت کے لیے تشریف لائے، تو ارشاد فرمایا: کیا تم نے وصیت کر دی ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کتنے مال کی وصیّت کی؟ میں نے عرض کیا: راہ خدا میں اپنے تمام مال کی وصیت کی ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اپنی اولاد کے لیے کیا چھوڑا؟ میں نے عرض کیا: وہ لوگ اغنیا یعنی صاحب مال ہیں، آپ نے فرمایا: دسویں حصہ کی وصیّت کرو۔ تو میں مسلسل کمی کرتا رہا (یعنی بار بار پوچھتا رہا کہ اتنے مال کی وصیت کر دوں۔۔۔؟) یہاں تک کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ثلث مال کی وصیّت کرو اور ثلث مال بہت ہے۔

(سنن الترمذی، کتاب الجنائز، باب ماجاء في الوصیة بالثلث، جلد1، صفحہ316، مطبوعہ لاھور)

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے: "الوصیة مشروعة بالکتاب والسنة۔۔ الوصیة غیر واجبة وهي مستحبة أي للأجنبي دون الوارث ولا تجوز الوصیة للوارث إلا أن یجیزها الورثة یعني بعد موته وهم أصحاء بالغون لأن الامتناع لحقهم فیجوز بإجازتهم ولا تجوز بما زاد علی الثلث إلا أن یجیزه الورثة یعني بعد موته وهم أصحاء بالغون ملخصاً" ترجمہ: وصیت قرآن وسنت کی روشنی میں جائز ہے۔ غیر وارث کے لیے وصیت کرنا واجب نہیں، مستحب ہے۔ وارث کے لیے وصیت درست نہیں، ہاں اگر وصیت کرنے والے شخص کی وفات کے بعد ورثاء اس کی اجازت دیں، جبکہ وہ تندرست (یعنی شرعی طور پر ذہنی مریض

نہ ہوں) اور بالغ ہوں (تو وارث کے لیے کی گئی وصیت بھی قابلِ عمل ہوگی)، کیونکہ (وارث کے لیے وصیت کی) ممانعت ورثاء کے حق کی وجہ سے تھی، تو ان کی اجازت کے ساتھ جائز ہو جائے گی اور ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت بھی درست نہیں، مگر یہ کہ وصیت کرنے والے کی وفات کے بعد ورثاء اس کی اجازت دے دیں، جبکہ وہ تندرست (یعنی شرعی طور پر ذہنی توازن درست ہو) اور بالغ ہوں (تو یہ بھی قابلِ عمل ہوگی)۔ (الجوهرة النيرة، کتاب الوصایا، جلد2، صفحہ366، 367، مطبوعہ کراچی)

بہارِ شریعت میں ہے: "وصیّت کرنا، جائز ہے۔ قرآن کریم سے، حدیث شریف سے اور اجماع امت سے اس کی مشروعیت (جائز ہونا) ثابت ہے۔ حدیث شریف میں وصیت کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔۔۔ وصیّت کرنا مستحب ہے جب کہ اس پر حقوق اللہ کی ادائیگی باقی نہ ہو۔ مستحب یہ ہے کہ انسان اپنے تہائی مال سے کم میں وصیّت کرے خواہ ورثاء مالدار ہوں یا فقراء۔ جس کے پاس مال تھوڑا ہو اس کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ وصیّت نہ کرے، جبکہ اس کے وارث موجود ہوں اور جس شخص کے پاس کثیر مال ہو، اس کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ اپنے ثُلث مال (یعنی ایک تہائی۔ 1/3) سے زیادہ کی وصیّت نہ کرے۔ ملخصاً"

(بہارِ شریعت، حصہ19، جلد3، صفحہ937، 938، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

تہائی سے زیادہ وصیت سے متعلق اسی میں ہے: "وصیّت ثُلث مال سے زیادہ کی جائز نہیں، مگر یہ کہ وارث اگر بالغ ہیں اور نابالغ یا مجنون نہیں اور وہ موصی (وصیت کرنے والے) کی موت کے بعد ثُلث مال سے زائد کی وصیت جائز کر دیں، تو صحیح ہے۔ موصی کی زندگی میں اگر وارثوں نے اجازت دی تو اس کا اعتبار نہیں۔ موصی کی موت کے بعد اجازت معتبر ہے۔ ملخصاً" (مزید وارث کے لیے وصیت سے متعلق اسی میں ہے:) "احناف کے نزدیک وارث کے لئے وصیّت جائز نہیں، مگر اس صورت میں جائز ہے کہ وارث اس کی اجازت دے دیں اور یہ اجازت موصی کی حیات میں معتبر نہیں، یہاں تک کہ اگر وارثوں نے موصی کی حیات میں اجازت دی تھی، پھر بھی انھیں موصی کی موت کے بعد رجوع کر لینے کا حق ہے۔"

(بہارِ شریعت، حصہ19، جلد3، صفحہ938، 939، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

نوٹ: کسی شخص نے وصیت کی ہو یا کرنی ہو، اس کی مکمل معلومات فراہم کر کے خاص اپنے مسئلے سے متعلق رہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔

**واللہ اعلم** عزوجل **و رسولہ اعلم** صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم

**کتبـــــــــہ**

**مفتی محمد قاسم عطاری**

03شعبان المعظم1442ھ/16مارچ2021ء

# عورت کا وراثت میں حصہ مرد سے کم کیوں ہے؟



ریفرنس نمبر:Nor-9840 تاریخ:10-03-2019

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عورت کو وراثت میں مرد سے کم حصہ کیوں دیا جاتا ہے؟

**سائل: نعمان امداد**

بسم اللہ الرحمن الرحیم

**الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب**

مسلمان پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو دل و جان سے قبول کرے کہ اسلام کا معنی ہی سر تسلیم خم کرنا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے احکام میں ہزارہا حکمتیں ہیں، ہر حکم کی حکمت کو ہم اپنی ناقص عقل اور ناقص علم کے ذریعے سمجھ جائیں یہ ضروری نہیں، لہٰذا حکمت سمجھ آئے یا نہ آئے بہر حال اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو دل و جان سے قبول کرنے میں ہی دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔

جہاں تک وراثت میں مرد کو عورت سے زیادہ حصہ ملنے کی بات ہے۔ اول تو یہ ذہن نشین رہے کہ ہر ہر مسئلے میں ایسا نہیں ہوتا کہ مرد کو زیادہ اور عورت کو کم حصہ ملے بلکہ وراثت کے مسئلے کی ورثاء کے اعتبار سے مختلف صورتیں بنتی ہیں اور بعض صورتوں میں عورت کو مرد سے زیادہ حصہ بھی مل سکتا ہے۔ جیسے میت نے ورثا میں ماں، ایک بیٹی، ایک پوتی اور ایک چچا چھوڑا ہو، تو کل مال کو 6 حصوں میں تقسیم کرکے ماں کو 1 حصہ، بیٹی کو 3 حصے، پوتی کو ایک حصہ اور چچا کو 1 حصہ ملے گا۔ اس کی صورت یوں بنے گی:

مسئلہ:6

**میــــــــــت**

| ماں | بیٹی | پوتی | چچا |
|---|---|---|---|
| 1/6 | 1/2 | 1/6 | عصبہ |
| 1 | 3 | 1 | 1 |

اگر مرنے والے نے ماں، 2 حقیقی بہنیں اور چچا چھوڑا ہو، تو کل مال کو 6 حصوں میں تقسیم کر کے ماں کو 1 حصہ، دونوں بہنوں کو 4 حصے اور چچا کو 1 حصہ ملے گا۔ اس کی صورت یوں بنے گی:

مسئلہ 6

**میـــــــــــــــــت**

| ماں | 2 حقیقی بہنیں | چچا |
|---|---|---|
| 1/6 | 2/3 | عصبہ |
| 1 | 4 | 1 |

یونہی مرنے والے نے اگر ایک بیوہ، 2 بیٹیاں، ماں اور چچا چھوڑے ہوں، تو کل مال کو 24 حصوں میں تقسیم کر کے بیوہ کو 3 حصے، دونوں بیٹیوں کو 16 حصے، ماں کو 4 حصے اور چچا کو صرف 1 حصہ ملے گا۔ صورت یوں ہو گی:

مسئلہ 24

**میـــــــــــــــــت**

| ماں | بیوہ | 2 بیٹیاں | چچا |
|---|---|---|---|
| 1/6 | 1/8 | 2/3 | عصبہ |
| 4 | 3 | 16 | 1 |

الغرض متعدد ایسی صورتیں ہیں، جن میں عورتوں کو مردوں کے برابر یا زیادہ حصہ ملتا ہے، بلکہ بعض صورتیں ایسی بھی بنتی ہیں کہ مرد کو کچھ نہیں ملتا، صرف عورتوں کو ہی ملتا ہے۔ مثلاً کسی نے ماں، ایک بیوہ، دو بہنیں اور بھتیجا وارث چھوڑا ہو، تو کل مال کو 13 حصوں میں تقسیم کر کے ماں کو 2 حصے، بیوہ کو 3 حصے اور دونوں بہنوں کو 8 حصے دیں گے اور بھتیجے کو کچھ نہیں ملے گا، کیونکہ بھتیجا عصبہ میں سے ہے اور عصبہ کو ذوی الفروض سے بچنے والا مال ملتا ہے، اگر کچھ مال نہ بچے تو عصبہ کو کچھ نہیں ملتا۔ اس مثال کا مسئلہ یوں بنے گا:

مسئلہ: 12ع13

**میـــــــــــــــــت**

| ماں | بیوہ | 2 بہنیں | بھتیجا |
|---|---|---|---|
| 1/6 | 1/4 | 2/3 | محروم |
| 2 | 3 | 8 | |

ہاں بعض صورتوں میں عورت کو مرد کے مقابلے میں کم حصہ ملتا ہے جیسے سگے بہن بھائی ہوں تو بھائی کے دو حصے اور بہن کا ایک حصہ ہوتا ہے اسی طرح بیٹا بیٹی ہو تو بیٹی کا ایک حصہ اور بیٹے کے دو حصے ہوتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿ یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ ﴾

ترجمہ کنزالایمان: " اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں، بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر۔"

(پارہ 4، سورۃ النساء، آیت 11)

اس حکمِ الٰہی کی متعدد حکمتیں علمائے کرام نے بیان فرمائی ہیں، جن میں سے چند حکمتیں درج ذیل ہیں:

## پہلی حکمت:

عام طور پر مرد کے ذمہ لازم آنے والے اخراجات عورت کے ذمہ لازم آنے والے اخراجات کے مقابلے میں زیادہ ہوتے ہیں، کیونکہ لڑکی کا نفقہ شادی سے پہلے اس کے باپ پر لازم ہوتا ہے اور شادی کے بعد شوہر پر لازم ہوتا ہے، جبکہ مرد پر اپنے خرچ کے ساتھ ساتھ بیوی بچوں کا نفقہ بھی لازم ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں والدین کا نفقہ بھی لازم ہوتا ہے۔ اگرچہ بعض صورتوں میں عورت پر بھی والدین کا نفقہ لازم ہوجاتا ہے لیکن اس کی نوبت کم ہی آتی ہے، لہٰذا مرد کو عورت کے مقابلے میں مال کی زیادہ حاجت ہے، اس وجہ سے مرد کو عورت سے زیادہ حصہ دیا گیا۔

## دوسری حکمت:

عورت میں عقل و فہم کم ہونے کے ساتھ ساتھ، اس کی خواہشات عموماً بہت زیادہ ہوتی ہیں، اگر عورت کو مال زیادہ ملے گا، تو عورت اس سے ناجائز کاموں کی طرف جلدی مائل ہوگی، جس سے فساد برپا ہوگا، جبکہ مرد کی خواہشیں عموماً عورت سے کم ہوتی ہیں اور مرد عورت کے مقابلے میں زیادہ سوچ سمجھ کر مال خرچ کرتا ہے، اس وجہ سے مرد کو عورت سے زیادہ حصہ دیا گیا۔

## تیسری حکمت:

مرد عام طور پر عورت کے مقابلے میں اپنا مال نیک کاموں میں زیادہ خرچ کرتا ہے۔ مثلاً غریبوں، یتیموں، بیواؤں، مصیبت زدوں کی مدد کرنا، مسجد و مدرسہ کی تعمیر میں حصہ لینا، مسافر خانہ و پُل بنوانا وغیرہ، کیونکہ مرد کا گھر سے باہر نکلنا اور لوگوں میں اٹھنا بیٹھنا زیادہ ہوتا ہے لہٰذا اسے ان نیک کاموں میں خرچ کرنے کے مواقع زیادہ ملتے ہیں، جبکہ عورت کا اکثر

وقت گھر میں گزرنے کی وجہ سے وہ نیک کاموں میں حصہ کم ہی ملا پاتی ہے۔

## چوتھی حکمت:

وراثت میں عورتوں کو کم حصہ ملنے کی بات سمجھنے کے لئے یہ بات سامنے رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالی نے عورت کے مقابلے میں مرد کو شرف زیادہ عطا کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہوتا ہے: ﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ﴾ ترجمہ کنز الایمان: مرد افسر ہیں عورتوں پر اس لیے کہ اللہ نے ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی۔ (پارہ 5، سورۃ النساء، آیت 34)

وراثت میں اس کو زیادہ حصہ ملنا بھی ایک شرف اور فضیلت ہی کا پہلو ہے۔ مرد کو کن کن مقام پر عورت کے مقابلے پر فضیلت حاصل ہے؟ اس کی چند مثالیں یہ ہیں:

1. مرد کو زیادہ عقل دی گئی ہے۔
2. مرد عزم کا زیادہ پختہ ہوتا ہے۔
3. مرد عورت سے زیادہ دور اندیش ہوتا ہے۔
4. مرد کو جسمانی طاقت و قوت زیادہ دی گئی ہے۔
5. مرد نماز روزے کی کثرت میں زیادہ قوی ہے۔
6. منصب نبوت مرد کے حصے میں آیا ہے۔
7. خلافت کبری بھی مرد ہی کا حق ہے۔
8. نماز کی امامت، اذان، خطبہ تکبیرات تشریق بھی مرد ہی ادا کرتا ہے۔
9. حدود و قصاص میں صرف مرد ہی گواہ بن سکتا ہے۔
10. اصحاب فرائض کے بعد وراثت کے دوسرے حق دار عصبات ہیں اور ان میں سب کے سب مرد ہی ہیں۔
11. عقدِ نکاح کا مالک مرد کو بنایا گیا ہے یعنی عورت اپنے آپ کو طلاق نہیں دے سکتی کہ یہ منصب صرف مرد کا ہے۔
12. مرد ہی سے نسب چلتا ہے، مرد کو داڑھی اور عمامے کی زینت نصیب ہوئی، مردوں پر عورتوں کا نفقہ لازم ہوا۔

ان تمام باتوں کی روشنی میں پتا یہ چلا کہ جس طرح مرد کو دیگر کئی اعتبار سے عورت پر فوقیت حاصل ہے، اسی طرح وراثت میں بھی اسے فوقیت دی گئی ہے۔

احکام الٰہیہ کی حکمتیں سمجھ آئیں یا نہ آئیں بہر حال انہیں دل و جان سے قبول کرنا لازم ہے۔ جو حکمتیں اوپر بیان ہوئیں، یہ علماء کے کلام سے مستفاد ہیں۔ اگر یہ سمجھ نہ آئیں، تو یہ بات یاد رکھی جائے کہ بندے اپنی طاقت و علم کے مطابق جو بیان کر سکتے تھے، وہ بیان ہوا، لیکن اللہ تعالی کا بیان کردہ حکم ہی درست ہے، اس میں کوئی خامی نہیں ہو سکتی۔

ایک مسلمان کا کیا طرز عمل ہونا چاہیے؟ اس تعلق سے اعلیٰ حضرت امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں: " احکام الہی میں چون و چرا نہیں کرتے، الاسلام گردن نہادن نہ زبان بجرأت کشادن (اسلام، سر تسلیم خم کرنا ہے، نہ کہ دلیری کے ساتھ لب کشائی کرنا) بہت احکام الٰہیہ تعبدی ہوتے ہیں اور جو معقول المعنی ہیں، ان کی حکمتیں بھی من و تو کی سمجھ میں نہیں آتیں۔۔۔ غرض ایسے بیہودہ سوالوں کا دروازہ کھولنا علوم و برکات کا دروازہ بند کرنا ہے، مسلمان کی شان یہ ہے: ﴿سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ﴾ ترجمہ کنز الایمان: ہم نے سنا اور مانا، تیری معافی ہو، اے رب ہمارے! اور تیری ہی طرف پھرنا ہے۔"

(فتاوی رضویہ، ج13، ص297، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالی علیہ وراثت میں عورت کا حصہ کم ہونے کے متعلق سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: " والجواب عنہ من وجوہ، الاول ان خروج المراۃ اقل لان زوجھا ینفق علیھا و خروج الرجل اکثر لانہ ھو المنفق علی زوجتہ، ومن کان خروجہ اکثر فھو الی المال احوج، الثانی ان الرجل اکمل حالا من المراۃ فی الخلقۃ وفی العقل وفی المناصب الدینیۃ مثل صلاحیۃ القضاء والامامۃ وایضا شھادۃ المراۃ نصف شھادۃ الرجل ومن کان کذلک وجب ان یکون الانعام علیہ ازید، الثالث ان المراۃ قلیلۃ العقل کثیرۃ الشھوۃ فاذا انضاف الیھا المال الکثیر عظم الفساد۔۔۔ وحال الرجل بخلاف ذلک، والرابع ان الرجل لکمال عقلہ یصرف المال الی ما یفیدہ الثناء الجمیل فی الدنیا والثواب الجزیل فی الآخرۃ نحو بناء الرباطات واعانۃ الملھوفین والنفقۃ علی الایتام والارامل، وانما یقدر الرجل علی ذلک لانہ یخالط الناس کثیرا والمراۃ تقل مخالطتھا مع الناس فلا تقدر علی ذلک " خلاصہ اوپر گزرا۔

(تفسیر کبیر، سورۃ النساء، آیت 11، ج3، ص512-511، لاہور)

مرد کو وراثت میں زیادہ حصہ ملنے کی حکمت کے متعلق روح المعانی میں ہے:" والحکمۃ فی انہ تعالی جعل نصیب الاناث من المال اقل من نصیب الذکور نقصان عقلھن ودینھن کما جاء فی الخبر مع ان احتیاجھن الی المال اقل لان ازواجھن ینفقون علیھن وشھوتھن اکثر فقد یصیر المال سببا لکثرۃ

فجورھن" ترجمہ: مردوں کو زیادہ اور عورتوں کو کم حصہ دینے میں حکمت، عورتوں کے دین اور عقل کا ناقص ہونا ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے نیز عورتوں کو مال کی حاجت بھی کم ہے کیونکہ ان کے شوہر ان پر خرچ کرتے ہیں نیز عورتوں کی خواہشات زیادہ ہیں تو مال زیادہ ہونا، ان کے گناہ زیادہ ہونے کا سبب بن سکتا ہے۔

(روح المعانی، سورۃ النساء، آیت 11، ج4، ص580، کوئٹہ)

مرد کو میراث میں عورت سے زیادہ حصہ ملنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں: "اس لیے کہ بیٹی کے ذمہ اپنا خرچ ہے نہ دوسروں کا، شادی سے پہلے اس کا خرچ باپ کے ذمے ہے اور شادی کے بعد خاوند کے مگر بیٹے پر اپنا بوجھ بھی ہے اور بیوی بچوں کا بھی، زیادہ خرچ والے کو زیادہ حصہ دلوایا گیا۔ نیز مرد عورت سے افضل ہے، اسی لیے نبوت، امامت، قضاء مردوں کے لیے ہے، عورتوں کے لیے نہیں۔ نیز عورت کی گواہی مرد سے آدھی ہے، اس لیے اس کی میراث بھی مرد سے آدھی رکھی گئی۔ نیز عورت کی عقل کم شہوت زیادہ ہے، اس حالت میں اگر اسے مال کثیر دیا جائے تو فساد ہی برپا ہو گا۔" (تفسیر نعیمی، ج4، ص508، مکتبہ اسلامیہ، لاھور)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم

کتبــــــــــــــــــــہ

ابو محمد مفتی علی اصغر عطاری مدنی

02 رجب المرجب 1440ھ/10 مارچ 2019ء

ریفرنس نمبر:Faj -7532 تاریخ:13-01-2023

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص کا انتقال ہو گیا ہے، اس نے اپنے بیٹے کو عاق کر دیا تھا، تو کیا اسے مرحوم کی جائیداد سے حصہ ملے گا؟ اور ان کے بیٹے نے پسند کی شادی کرلی ہو، تو کیا پسند کی شادی کرنے کے سبب وہ اپنے والد کی جائیداد سے محروم ہو جائے گا؟ نیز کیا اس شخص کے انتقال کے بعد ان کے کل مال کی مالک ان کی زوجہ ہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

وارث کا پسند کی شادی کے سبب جائیداد سے محروم ہونا، یا والد کے عاق کر دینے سے جائیداد سے محروم ہونا، شرعاً یہ دونوں چیزیں کسی کو جائیداد سے محروم کرنے کا سبب نہیں کہ قوانینِ شرعیہ کی رو سے چار چیزیں جائیداد سے محروم کرنے کا سبب بنتی ہیں: غلام ہونا، مورث کو ناحق قتل کرنا، دِین کا مختلف ہونا اور وطن کا مختلف ہونا۔ جیسے حربی کافر جو دار الحرب میں مرا، اس کا ذمی کافر بیٹا جو دار الاسلام میں رہتا ہو، مرنے والے حربی کافر کا وارث نہیں ہو گا۔ اور ان چار چیزوں میں سے مذکورہ دونوں اسباب نہیں، لہذا اس شخص کا بیٹا پسند کی شادی کرنے کے سبب یا ان کے اسے عاق کر دینے کے سبب ان کی جائیداد سے محروم نہیں۔

عربی زبان میں عاق ایسی اولاد کو کہتے ہیں جو ماں یا باپ کو تکلیف دے یا ناحق ناراض کرے، تو جو ماں یا باپ کا نافرمان ہے، وہ عاق ہے، اگرچہ ماں باپ نے اسے عاق نہ کیا ہو اور ماں باپ کا نافرمان دنیا میں

ذلت ورسوائی اور آخرت میں جہنم کے عذاب کا سزاوار ہے۔ اور اگر کوئی ماں باپ کا مطیع وفرمانبردار ہے، تو وہ ہر گز عاق نہیں۔ ایسی اولاد کو ماں یا باپ لاکھ عاق کہیں یا لکھیں، یہ عاق نہیں۔ اور عوام نے جو یہ سمجھ رکھا ہے کہ والد یا والدہ کے اپنی اولاد میں سے کسی بیٹے یا بیٹی کو عاق کہنے یا عاق لکھنے سے وہ ان کی جائیداد سے ان کے مرنے کے بعد محروم ہو جائیں گے، یہ بے اصل و باطل ہے، لہٰذا ایسی اولاد جسے ان کے ماں یا باپ نے اپنی جائیداد سے عاق کر دیا، ان کے مرنے کے بعد ان کی میراث سے حصہ پائے گی کہ رب کائنات نے میراث میں اولاد کا حق اپنی سچی کتاب قرآنِ پاک میں بیان فرمایا ہے، جو ساری دنیا خواہ والدین کے عاق کہنے یا لکھنے سے ختم نہیں ہو سکتا۔

نیز کسی شخص کے انتقال کر جانے سے اس کے کل مال کی مالک اس کی بیوہ نہیں ہو جاتی، بلکہ بحکمِ قرآن اولاد ہونے کی صورت میں اپنے شوہر کے مال کے آٹھویں حصے کی مالک ہوتی ہے، اور باقی مال کے مالک قرآن و سنت میں بیان کیے گئے دیگر ورثاء ہوتے ہیں۔

اولاد کی موجودگی میں بیوہ کے حصے کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاِنۡ كَانَ لَكُمۡ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ﴾ ترجمہ کنزالایمان: "پھر اگر تمہارے اولاد ہو، تو ان کا تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں۔"

**(سورۃالنساء، پارہ4، آیت12)**

رب کائنات عزوجل اولاد کے حصے کے متعلق فرماتا ہے: ﴿يُوۡصِيۡكُمُ اللّٰهُ فِىۡۤ اَوۡلَادِكُمۡ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں، بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں برابر ہے۔ **(سورۃالنساء، پارہ4، آیت11)**

وراثت سے محروم کرنے والی چیزیں چار ہیں، فتاویٰ عالمگیری میں ہے: "الرق یمنع الإرث، القاتل بغیر حق لا یرث من المقتول، واختلاف الدین أیضا یمنع الإرث واختلاف الدارین یمنع الإرث، کذافي التبیین ولکن هذا الحکم في حق أهل الکفر لا في حق المسلمین، ملتقطا" ترجمہ: غلام ہونا وراثت سے مانع ہے، ناحق قتل کرنے والا مقتول کا وارث نہیں ہوگا، دِین کا مختلف ہونا بھی وارث ہونے سے مانع ہے،

اور وطن کا مختلف ہونا بھی وارث ہونے سے مانع ہے(یہاں وطن کے اختلاف سے دار الحرب اور دارالاسلام کا اختلاف مراد ہے)اسی طرح تبیین میں ہے، لیکن یہ حکم (یعنی وطن کے مختلف ہونے سے وارث نہ بننا) کفار کے ساتھ خاص ہے مسلمانوں کے لیے نہیں۔

**(فتاوی عالمگیری، جلد6، صفحہ454، مطبوعہ کوئٹہ)**

والدین کو ستانا، ان کا دل دُکھانا کبیرہ گناہ ہے، بخاری شریف میں ہے:"عن عبد الرحمن بن أبی بکرة عن أبیہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ألا أنبئکم بأکبر الکبائر قلنا بلی یا رسول اللہ قال الإشراک باللہ وعقوق الوالدین وکان متکأ فجلس فقال ألا وقول الزور وشھادۃ الزور ألا وقول الزور وشھادۃ الزور فمازال یقولھا حتی قلت لا یسکت"ترجمہ: حضرت عبد الرحمٰن بن ابو بکرۃ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں کبیرہ گناہوں میں جو سب سے بڑے گناہ ہیں، ان کے بارے میں خبر نہ دوں؟ ہم نے عرض کی کیوں نہیں یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ٹیک لگائے ہوئے تھے پس بیٹھ گئے اور فرمایا اور جھوٹی بات اور جھوٹی بات کی گواہی دینا خبر دار اور جھوٹ بولنا اور جھوٹی بات کی گواہی دینا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کی تکرار کرتے رہے، یہاں تک کہ میں نے کہا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سکوت نہ فرمائیں گے۔

**(صحیح البخاری، کتاب الادب، ج8، ص4، دار طوق النجاۃ)**

سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت شاہ احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن ارشاد فرماتے ہیں:"عاق عربی میں وہ اولاد کہ ماں یا باپ کو آزار پہنچائے، ناحق ناراض کرے۔ اور جو شخص فی الواقع عاق ہو، تو اس کا اثر امور آخرت میں ہے کہ اگر اللہ عزوجل والدین کو راضی کرکے اس کا گناہ معاف نہ فرمائے، تو اس کی سزا جہنم ہے، والعیاذباللہ، مگر میراث پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا، نہ والدین کا لکھ دینا کہ ہماری اولاد میں فلاں شخص عاق ہے۔ ہمارا ترکہ اسے نہ پہنچے، اصلاً وجہ محرومی ہو سکتا ہے کہ اولاد کا حق میراث قرآن عظیم

نے مقرر فرمایا ہے۔ وقال اللہ تعالی ﴿یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ﴾ (ترجمہ کنزالایمان: اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں برابر ہے)۔

والدین خواہ تمام جہان میں کسی کا لکھا اللہ عزوجل کے لکھے پر غالب نہیں آسکتا، ولہذا تمام کتب فرائض وفقہ میں کسی نے اسے موانع اِرث سے نہ گنا۔" ملتقطا۔

**(فتاوی رضویہ، جلد26، صفحہ180، 181رضافاؤنڈیشن، لاہور)**

**واللہ اعلم** عزوجل **و رسولہ اعلم** صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم

**کتبـــــــــــــہ**

**المتخصص فی الفقہ الاسلامی**

**محمد طارق عطاری مدنی**

20جمادی الاولی 1444ھ/13جنوری 2023

**الجواب صحیح**

**مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری**

ریفرنس نمبر:Faj-7046 تاریخ:07-04-2022

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا نام۔۔۔۔۔۔۔ ہے، میرے شوہر کا نام۔۔۔۔۔۔۔۔ ہے۔ میرے شوہر چرس وغیرہ کا نشہ کرتے تھے۔ گھر سے چلے جاتے، پھر واپس آجاتے، اب 2009ء سے گئے ہیں اور واپس نہیں آئے، ان کی زندگی یا موت کی کوئی خبر نہیں، میرے شوہر کی تاریخ پیدائش 01-01-1958 ہے۔ اور اسلامی تاریخ 10 جمادی الاُخری 1377ھ ہے، اور اسلامی تاریخ کے حساب سے ان کی عمر 66 سال ہے۔ ان کے والدین ان کی زندگی ہی میں وفات پا گئے تھے، ان کا کوئی بیٹا نہیں ہے، ورثاء میں، بیوی تین بیٹیاں، دو بھائی اور دو بہنیں ہیں، میرے شوہر کے ترکے میں ایک گھر ہے، اس گھر کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

جو شخص گم ہو جائے اور اس کے زندہ ہونے یا انتقال کر جانے کا علم نہ ہو، تو وہ شخص اپنے مال کے اعتبار سے زندہ سمجھا جائے گا اور اس کے مال میں وراثت جاری نہیں ہوگی، اس کے مال کو محفوظ رکھا جائے گا۔ 70 سال کی عمر ہونے تک اگر یہ واپس آجاتا ہے، تو اس کا مال اس کے حوالے کر دیا جائے گا، اور اس کی عمر 70 سال ہونے پر اس کے زندہ ہونے یا انتقال کرنے کا پتہ نہیں چلتا، تو قاضی شہر کے پاس مسئلہ پیش ہو اور وہ اس کی موت کا حکم دے دے اور قاضی نہ ہونے کی صورت میں مفتی شہر اس کی موت کا حکم دے دے، تو اُس وقت اس کی ملکیت میں جو کچھ ہے، وہ ان لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے گا، جو اس کی موت کے وقت زندہ ہوں اور جو اس کی موت کے وقت سے پہلے ہی انتقال کر گئے، وہ اس کے مال میں وارث نہیں ہوں گے، لہذا پوچھی گئی صورت میں آپ کے شوہر کے مال میں فی الحال وراثت جاری نہیں ہوگی، ان کی عمر

ستر سال ہونے کے بعد، ان کے زندہ ہونے یا انتقال کر جانے کا علم نہ ہونے پر جب مسئلہ مفتیِ شہر کے پاس پیش ہو اور وہ ان کی موت کا حکم کر دیں، تو اس وقت ان کے جو وارث زندہ ہوں گے، ان میں ان کے حصوں کے مطابق مال تقسیم کر دیا جائے گا۔

درر الحکام شرح غرر الاحکام میں ہے:"(غائب لم يدر أثره) أي في أي موضع هو (ولم يسمع خبره) أحي هو أم ميت (حي في حق نفسه) بالاستصحاب (ولا يقسم ماله قبل أن يعرف حاله) لأن ظاهر حاله الحياة والقسمة بعد الممات۔۔۔ (وبعده) أي بعد موت أقرانه (يحكم بموته في) حق (ماله يوم تمت المدة۔۔۔ ويقسم ماله بين من يرثه الآن) ولا يرثه وارث مات قبل المدة" ترجمہ: ایسا غائب شخص جس کا کوئی علم نہ ہو کہ وہ کس جگہ ہے، اور اس کی کوئی خبر بھی نہ ہو کہ وہ زندہ ہے یا فوت ہو چکا ہے، تو وہ شخص استصحاب کی وجہ سے اپنے حق میں زندہ ہے اور اس کا مال اس کی حالت جاننے سے پہلے تقسیم نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اس کی ظاہری حالت حیات شمار ہو گی اور تقسیم ترکہ مرنے کے بعد ہوتا ہے۔۔۔ اس کے ہم زمانہ لوگوں کی موت کے بعد غائب شخص کے مال کے اعتبار سے اس کی موت کا حکم دیا جائے گا، جس دن وہ مدت پوری ہو۔ اور اب اس کے ورثا میں مال تقسیم کر دیا جائے گا۔ جو اس مدت گزرنے سے پہلے فوت ہو گئے، وہ غائب شخص کے وارث نہیں بنیں گے۔

**(درر الحکام شرح غرر الاحکام، جلد2، صفحہ 127،128، مطبوعہ بیروت)**

بہارِ شریعت میں ہے:"اگر کوئی شخص گم ہو جائے اور اس کی زندگی یا موت کا کچھ علم نہ ہو، تو وہ شخص اپنے مال کے اعتبار سے زندہ متصور ہو گا یعنی اس کے مال میں وراثت جاری نہ ہو گی، مگر دوسرے کے مال کے اعتبار سے مردہ شمار ہو گا یعنی کسی سے اس کو وراثت نہ ملے گی۔ گمشدہ شخص کے مال کو محفوظ رکھا جائے گا، یہاں تک کہ اس کی موت کا حکم دے دیا جائے اور اس کی مقدار صاحب فتح القدیر کی رائے میں یہ ہے کہ مفقود کی عمر کے ستر برس گزر جائیں، تو قاضی اس کی موت کا حکم دے گا اور اس کی جو اَملاک ہیں، وہ ان لوگوں پر تقسیم ہوں گی، جو اس موت کے حکم کے وقت موجود ہیں۔ مفقود کا اپنا مال تو پورا محفوظ رکھا جائے گا تاوقتیکہ اس کی موت کا حکم دیا جائے، اگر اس حکم سے پہلے وہ واپس آ گیا، تو اپنے مال پر قبضہ کر لے گا اور اگر واپس نہ آیا، تو جس وقت موت کا حکم کیا جائے گا، اس وقت جو وارث موجود ہوں گے، ان پر تقسیم کر دیا جائے گا۔" **(بہارِ شریعت، جلد3(ب)، حصہ20، صفحہ 1181، مکتبۃ المدینہ، کراچی)**

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:"جو شخص ایسا غائب ہو کہ اس کا پتہ نہ چلے اسے مفقود کہتے ہیں اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا مال اس وقت تک محفوظ رکھا جائے جب تک اس کی موت معلوم نہ ہو، یا یہ کہ قاضی اس کی موت کا حکم دیدے اور قاضی کب موت کا حکم دے گا؟ اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ مگر امام ابن ہمام نے جس قول کو اختیار فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ اس کی عمر ستر سال کی ہو جائے۔ ردالمحتار میں فتح القدیر سے ہے:"واختار ابن همام سبعين لقوله عليه الصلوة والسلام اعمار امتي مابين الستين الى السبعين فكانت المنتهى غالبا"اور چونکہ مسماۃ مذکورہ کی عمر تقریباً ستر سال کی ہے۔ لہٰذا اگر ثابت ہو کہ ستر سال کی عمر ہو چکی ہے، تو حکم موت دیا جاسکتا ہے، مگر یہ کام قاضی کا ہے اور یہاں ہندوستان میں قاضی نہیں، یہ کام شہر کا سب میں بڑا عالم کر سکتا ہے کہ وہ ایسی صورت میں قاضی کے قائم مقام ہو سکتا ہے، اس کے پاس معاملہ کو پیش کیا جائے، اگر وہ موت کا حکم دیدے، تو جو کچھ مسماۃ کا مال ہے، وہ صورت مسئولہ میں دونوں وارثوں میں حسب شرائط فرائض برابر برابر تقسیم کر دیا جائے۔" (فتاوی امجدیہ، جلد3، صفحہ382، 381، دارالعلوم امجدیہ، کراچی)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

**کتبــــــــــــــــــــــــــــــہ**

**المتخصص فی الفقہ الاسلامی**

**محمد طارق رضا عطاری مدنی**

05رمضان المبارک1443ھ/07اپریل2022ء

**الجواب صحیح**

**مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری**

# جو شخص لاپتہ ہو جائے، اس کی وراثت کا حکم

ریفرنس نمبر:Har-4193 تاریخ:27-09-2020

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ عبد الرحمٰن آٹھ سال پہلے لاپتہ ہو گیا تھا، اس کی موت وحیات کا اب تک کوئی پتہ نہیں چل سکا۔ جس وقت لاپتہ ہوا تھا، اس وقت اس کی عمر 75 سال تھی۔ پوچھنا یہ ہے کہ اس کے مال کے متعلق کیا حکم ہے؟ کیا اس کا مال اس کے ورثاء میں تقسیم کیا جا سکتا ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

ایسا مفقود (گم ہونے والا) شخص جس کی موت و حیات کا کوئی علم نہ ہو، وراثت وغیرہ معاملات میں اس کی موت کا حکم کب دیا جائے گا؟ اس کے متعلق چند اقوال ہیں۔

**(1) ظاہر الروایہ یہ ہے کہ عمر کے اعتبار سے اس کی کوئی مخصوص مقدار نہیں، بلکہ اس کے شہر میں اس کے اقران یعنی ہم عمر لوگوں کے فوت ہو جانے پر اس کی موت کا حکم دیا جائے گا۔**

**(2) ایک قول یہ ہے کہ یہ معاملہ قاضی کے سپرد ہے، وہ چھان بین کے بعد جب اس کی موت کا فیصلہ کر دے گا، تب اس کی موت کا حکم ہو گا، امام زیلعی علیہ الرحمۃ نے اسے اختیار فرمایا۔ ان دو کے علاوہ باقی اقوال میں عمر کی مقدار مقرر کی گئی ہے کہ مفقود کی وقتِ پیدائش سے ٹوٹل عمر جب ان اقوال میں مقرر کی گئی عمر کو پہنچ جائے گی، تو پھر قاضی اس کی موت کا حکم دے گا۔**

**(3) ان میں سے ایک قول میں ساٹھ سال عمر مقرر کی گئی ہے۔**

**(4) دوسرے میں ستر سال۔**

**(5) تیسرے میں اسّی سال۔**

**(6) چوتھے میں نوے سال۔**

**(7) پانچویں میں سو سال۔**

**(8) اور چھٹے میں ایک سو بیس سال عمر مقرر کی گئی ہے۔**

محقق علی الاطلاق امام ابن ہمام علیہ الرحمۃ نے اس حدیث "میری امت کی عمریں ساٹھ اور ستر کے درمیان ہیں" کی بناء پر ستر سال والے قول کو اختیار فرمایا اور فقہاء نے اسے لوگوں کے لیے ارفق (آسان) اور زمانے کے زیادہ موافق ہونے کی وجہ سے مفتیٰ بہ قرار دیا، لہٰذا **مفقود شخص کے متعلق یہی حکم بیان کیا جائے گا کہ گم ہونے کے بعد جب اس کی ٹوٹل عمر ستر سال تک پہنچے گی، تب قاضی اس کی موت کا حکم کر دے گا اور وراثت وغیرہ احکام، جو اب تک موقوف تھے، ان کے متعلق فیصلہ کر دیا جائے گا۔**

اس مفتیٰ بہ قول کے مطابق ستر سال کی عمر سے پہلے مفقود ہونے والے شخص کا حکم تو واضح ہے، لیکن جو شخص ستر سال کی عمر کے بعد مفقود ہو، جیسا کہ صورت مستفسرہ میں یہی معاملہ ہے کہ مفقود ہونے والا شخص 75 سال کی عمر میں گم ہوا، تو اس کے متعلق کیا حکم ہو گا؟ کیا قاضی فوراً موت کا حکم کر دے گا؟ تو سیدی اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن نے مفقود شخص کے متعلق دوسرا قول جو کہ امام زیلعی علیہ الرحمۃ کا مختار ہے، اس کے مطابق حکم بیان کرنے کا فرمایا یعنی یہ معاملہ قاضی کے سپرد کیا جائے گا اور قاضی اس کی جگہ، زمانہ، ہم عمر لوگوں کے متعلق چھان بین کرنے اور خوب غور و فکر کرنے کے بعد جب اس کی موت کا فیصلہ کر دے گا، تب وراثت وغیرہ احکام جاری ہوں گے، لہٰذا صورت مستفسرہ میں عبد الرحمٰن کا مال فوراً تقسیم نہیں ہو گا، بلکہ یہ معاملہ قاضی کے پاس پیش کیا جائے گا اور آج کل چونکہ قاضی نہیں ہوتے، لہٰذا اعلم علمائے بلد یعنی شہر کے سب سے بڑے سنی مفتی کے پاس پیش کیا جائے گا اور مفتی، عبد الرحمٰن کے شہر کے لوگوں کی عمومی عمروں اور عبد الرحمٰن کے ہم عمر لوگوں کے متعلق چھان بین کرے گا کہ وہ زندہ ہیں یا فوت ہو چکے ہیں، چھان بین کے بعد جب اسے ظن غالب ہو جائے گا کہ اب تک عبد الرحمٰن زندہ نہیں ہو گا، تو وہ اس کی موت کا حکم کر دے گا، اس کے بعد عبد الرحمٰن کا مال اس کے ورثاء میں ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کر دیا جائے گا۔

جمیع احکامہ من قسمۃ میراثہ و بینونۃ زوجتہ و غیر ذلک "مصنف علیہ الرحمۃ کا قول:(اس کے ہم عمر دوستوں کی موت تک) یہ صرف وصیت کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ یہ اس کا ایسا حکم ہے جو اس کی میراث کی تقسیم اوراس کی بیوی کے بائنہ وغیرہ اس کے تمام احکام میں عام ہے۔

**(ردالمحتار مع الدرالمختار،ج6،ص453،مطبوعہ کوئٹہ)**

## مفقود کے متعلق عمر کی مقدار مقرر ہونے کے متعلق دیگر اقوال اور مفتٰی بہ قول کی تعیین:

نہر الفائق میں ہے:"اعلم أن ظاهر الرواية عن الإمام أنه لا يحكم بموته إلا بموت أقرانه في السن من أهل بلده وقيل: من جميع البلدان، قال خواهر زاده: والأول أصح، قال السرخسي: وهذا أليق بالفقه لأن نصب المقادير بالرأي لا يجوز غير أن الغالب أن الإنسان لا يعيش بعد أقرانه وأنت خبير بأن التفحص عن موت الأقران غير ممكن أو فيه حرج فعن هذا اختار المشائخ تقديره بالسن ثم اختلفوا فاختار المصنف أنه تسعون وفي (الهداية) وهو الأرفق. قال في (الكافي): و(الوجيز) وعليه الفتوى وروى الحسن مائة وعشرين سنة، وعن أبي يوسف مائة وفي (التتارخانية) معزيا إلى (الحاوي) وبه نأخذ وفيها عن (التهذيب) الفتوى على تقديره بثمانين واختار المتأخرون تقديره بستين وهذا الاختلاف إنما نشأ من اختلاف الرأي في أن الغالب هذا أو مطلقا، قال في (الفتح): والأحسن عندي التقدير بسبعين لخبر (أعمار أمتي ما بين الستين إلى السبعين) وقيل: يفوض إلى رأي القاضي فأي وقت رأى المصلحة حكم بموته، قال الشارح: وهو المختار" تو جان بے شک امام صاحب سے ظاہر الروایہ میں یہ مروی ہے کہ اس کی موت کا حکم اس کے شہر کے ہم عمر دوستوں کے اعتبار سے لگایا جائے گا اور کہا گیا ہے تمام شہر والوں کے اعتبار سے، خواہر زادہ نے فرمایا: اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے، امام سرخسی نے فرمایا: اور یہ فقہ کے زیادہ لائق ہے، کیونکہ رائے کے ذریعے مقادیر معین کرنا، جائز نہیں، علاوہ ازیں بے شک اکثر طور پر انسان اپنے ہم عمر دوستوں کی موت کے بعد زندہ نہیں رہتا اور تو جانتا ہے کہ ہم عمر دوستوں کی چھان بین ناممکن ہے یا اس میں حرج ہے، پس امام صاحب سے مروی ہے: مشائخ نے اس کے ہم عمر دوستوں کی عمر کو مقرر کیا، پھر فقہائے کرام نے اس مسئلے میں اختلاف کیا، پس مصنف علیہ الرحمۃ نے اس بات کو اختیار فرمایا کہ جب وہ نوے سال کا ہو جائے اور ہدایہ میں ہے، یہی زیادہ مناسب ہے۔ کافی میں فرمایا: اور (وجیز میں

ہے) اسی پر فتویٰ ہے اور امام حسن سے ایک سو بیس سال مروی ہے اور امام ابو یوسف سے سو سال مروی ہے اور تتار خانیہ میں حاوی کی طرف منسوب کرتے ہوئے ہے اور اسی کو ہم نے لیا اور اسی میں تہذیب کے حوالے سے ہے کہ فتویٰ اسی سال کی مقدار پر ہے اور متاخرین نے ساٹھ سال کی مقدار اختیار کی اور یہ اختلاف رائے کے اختلاف سے پیدا ہوا اس بارے میں کہ یہ غالب یا مطلقاً ہے، فتح میں فرمایا: اور میرے نزدیک زیادہ بہتر ستر سال ہے حدیث پاک کی وجہ سے کہ "میری امت کی عمریں ساٹھ سے ستر سال کے درمیان ہیں۔" اور کہا گیا ہے کہ اس کو قاضی کی رائے کی طرف پھیرا جائے گا، پس جس وقت وہ کوئی مصلحت دیکھے اس کی موت کا حکم لگا دے، شارح نے فرمایا: یہی مختار ہے۔ **(نہر الفائق، ج3، ص292، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)**

ردالمحتار میں ہے: "وقیل یقدر بتسعین سنةمن حین ولادته ،واختاره فی الکنز وقیل بمائة ،وقیل بمائة وعشرین ، **واختار ابن الهمام سبعین لقوله علیه الصلاۃ والسلام: اعمار امتی ما بین الستین الی السبعین "فکانت المنتهی غالبا**، ملخصا" اور کہا گیا ہے وہ اس کی ولادت سے نوے سال کی عمر تک مقرر کیا جائے گا، اس کو کنز میں اختیار کیا ہے اور کہا گیا سو سال تک، اور کہا گیا کہ ایک سو بیس سال تک اور امام ابن ہمام نے ستر سال کو اختیار کیا ہے، نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے: میری امت کی عمریں ساٹھ سے ستر سال کے درمیان ہیں۔ پس زندگی کی انتہا عموماً اسی پر ہو جاتی ہے۔

**(ردالمحتار علی الدر المختار، ج6، ص454، مطبوعہ کوئٹہ)**

سیدی اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ستر سال والے قول کی ترجیح کی وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: "هذا احسن مایصار الیه و یعول علیه فانه المویَّد بالحدیث، و شاهد حال الزمان للحدیث، ان المرمٰی ههنا هو حصول الظن لیس الا فانه لا سبیل الی الیقین، فتقدیرُ رسولِ الله صلی الله علیه وسلم خیر من تقدیر غیره، و قد نص العلماء کشارحَیِ المُنیة العلامة المحقق محمد بن امیر الحاج فی الحلیة والعلامة ابراهیم الحلبی فی الغنیة و غیرُهما فی غیرِهما انه لا یعدل عن درایة ما وافقتها روایة، لا سیما و هو الارفق بالناس و الأوفق بالزمان، فقد تقاصرت الاعمار و تعجلت المنون، و حسبنا الله و نعم الوکیل، فلذا عولنا علیه فی جمیع فتاوٰنا و بالله التوفیق، اخرج

الترمذی عن ابی ھریرۃ و ابویعلی عن انس بن مالک رضی اللہ عنھما قالا: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "اعمارُ امّتی ما بین الستّین الی السبعین و اقلھم من یجوز ذلک" سندُہ حسن کما نص علیہ الحافظ فی فتح الباری "اور یہ بہترین قول ہے، جس کی طرف رجوع کیا جائے اور اس پر بھروسہ کیا جائے، کیونکہ حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے اور حال زمانہ حدیث کا شاہد ہے، کیونکہ یہاں مقصود ظن غالب کا حصول ہے، یہاں یقین کی کوئی صورت نہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقرر کیا ہوا اندازہ غیر کے اندازے سے بہتر ہے، اور علماء نے نص فرمائی ہے جیسا کہ منیہ کے دو شارحین علامہ محقق محمد بن امیر الحاج نے حِلیہ میں اور علامہ ابراہیم حلبی نے غنیہ میں، اور ان دونوں کے علاوہ دیگر علماء نے دیگر کتابوں میں تصریح فرمائی کہ دِرایت جب روایت کے موافق ہو، تو اس سے عدول نہیں کیا جائے گا خصوصاً جبکہ اس میں لوگوں کے لیے زیادہ نرمی اور زمانے کے ساتھ زیادہ موافقت موجود ہو، تحقیق عمریں کم ہو گئیں اور موتیں جلدی واقع ہونے لگیں۔ اللہ پاک ہمیں کافی ہے اور کیا ہی اچھا کارساز ہے۔ اسی لیے ہم نے اللہ پاک کی دی ہوئی توفیق سے اپنے تمام فتاویٰ میں اس پر اعتماد کیا ہے۔ ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابویعلی نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے تخریج کی، ان دونوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میری امت کی عمریں ساٹھ اور ستر سال کے درمیان ہوں گی بہت کم ان میں سے ایسے ہوں گے جو اس سے آگے بڑھیں۔" اس کی سند حسن ہے، جیسا کہ فتح الباری میں حافظ نے اس پر نص کی ہے۔ (فتاوی رضویہ، ج26، ص99تا100، مطبوعہ رضافاونڈیشن، لاھور)

بہار شریعت میں ہے: "مفقود اور اس کی زوجہ میں تفریق اس وقت کی جائے گی کہ جب ظن غالب ہو جائے کہ وہ مر گیا ہو گا اور اس کی مقدار یہ ہے کہ اس کی عمر سے ستر برس گزر جائیں، اب قاضی اس کی موت کا حکم دے گا اور عورت عدت وفات گزار کر نکاح کرنا چاہے، تو کر سکتی ہے اور جو کچھ املاک ہیں، ان لوگوں پر تقسیم ہوں گے جو اس وقت موجود ہوں۔" (بہار شریعت، ج2، ص486، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

**ستر سال کی عمر کے بعد مفقود ہونے والے کا حکم:**

جو شخص ستر سال کی عمر کے بعد مفقود ہوا، تو فوراً اس کی موت کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کے معاملے کو قاضی کے سپرد کرنا واجب ہے، جیسا کہ سیدی اعلی حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں: "قولہ

(واختار الزیلعی تفویضه للامام، فای وقت رای المصلحة حکم بموته، ملخصا) اقول: هذا من الحسن بمکان ولا محید من الرجوع الیه اذا فقد مثلا وقد خرج عن التقادیر ولم یبق فی البلد من اقرانه احد ،فانه لا یمکن ان یحکم بموته من فور فقده بل یجب التفویض الی رای القاضی ،فافهم "مصنف علیہ الرحمۃ کا قول: (اور امام زیلعی نے اس کے معاملے کو قاضی کے سپرد کرنے کو اختیار فرمایا کہ جب وہ مصلحت جانے اس کی موت کا حکم کر دے) میں کہتا ہوں: یہ اچھا قول ہے اور اس کی طرف رجوع کیے بغیر کوئی ہٹنے کی راہ نہیں ہے، جب مثال کے طور پر کوئی شخص گم ہو جائے اور مقرر کی گئی مقادیر سے تجاوز کر چکا ہو اور شہر میں اس کے ہم عمر لوگوں میں سے بھی کوئی باقی نہ ہو، تو اس کے گم ہوتے ہی فوراً اس کی موت کا حکم کرنا، تو ممکن نہیں، بلکہ قاضی کی رائے کی طرف سپرد کرنا واجب ہے۔ پس سمجھو۔

(جدالممتار، ج05، ص423تا424، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

ستر سال کی عمر میں مفقود ہونے والی عورت کے متعلق کیے جانے والے سوال پر صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: "جو شخص ایسا غائب ہو کہ اس کا پتہ نہ چلے اسے مفقود کہتے ہیں اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا مال اس وقت تک محفوظ رکھا جائے جب تک اس کی موت معلوم نہ ہو، یا یہ کہ قاضی اس کی موت کا حکم دے دے اور قاضی کب موت کا حکم دے گا، اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، مگر امام ابنِ ہُمام نے جس قول کو اختیار فرمایا ہے، وہ یہ ہے کہ اس کی عمر ستر سال کی ہو جائے **اور چونکہ مسماۃ مذکورہ کی عمر تقریباً ستر سال کی ہے لہٰذا، اگر ثابت ہو کہ ستر سال کی عمر ہو چکی ہے، تو حکمِ موت دیا جاسکتا ہے،** مگر یہ کام قاضی کا ہے اور یہاں ہندوستان میں قاضی نہیں، **یہ کام شہر میں سب سے بڑا عالم کر سکتا ہے** کہ وہ ایسی صورت میں قاضی کے قائم مقام ہو سکتا ہے، اس کے پاس معاملہ کو پیش کیا جائے، اگر وہ موت کا حکم دے دے، تو جو کچھ مسماۃ کا مال ہے، وہ دونوں وارثوں میں حسبِ شرائطِ فرائض برابر، برابر تقسیم کر دیا جاوے۔ ملخصا"

(فتاوی امجدیہ، ج3، ص381۔382، مطبوعہ مکتبہ رضویہ، کراچی)

## مفقود کا حکم لگانے کے لیے کن چیزوں کا لحاظ ضروری ہے:

اوپر یہ تو واضح ہو چکا کہ جو شخص ستر سال عمر ہو جانے کے بعد مفقود ہوا، تو اس کے بارے میں امام زیلعی علیہ

الرحمۃ کے مختار قول کے مطابق حکم بیان کیا جائے گا، لیکن اس قول کے مطابق فیصلہ کرنے کے لیے قاضی کو کن چیزوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، اس کو بیان کرتے ہوئے رد المحتار میں شرح وہبانیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں: "ینظر ویجتھد ویفعل ما یغلب علی ظنه فلا یقول بالتقدیر وینظر فی الاقران وفی الزمان والمکان ویجتھد لانه یختلف باختلاف البلاد و کذا غلبة الظن تختلف باختلاف الاشخاص۔۔۔ اھ ومقتضاہ :انه یجتھد ویحکم القرائن الظاھرۃ الدالة علی موته۔ملخصا" قاضی غورو فکر کرے اور کوشش کرے اور اپنے غالب گمان کے مطابق حکم کرے اور مفقود کے ہم عمر لوگوں اور زمان اور مکان میں غور و فکر کرے اور کوشش کرے، کیونکہ یہ شہروں کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتا ہے اور اسی طرح غلبہ ظن اشخاص کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتا ہے۔۔۔ اور اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ وہ کوشش کرے اور اس کی موت پر دلالت کرنے والے ظاہر قرائن کے مطابق فیصلہ کرے۔

**(ردالمحتار علی الدرالمختار، ج06، ص454، مطبوعہ کوئٹہ)**

**واللہ اعلم** عزوجل **و رسولہ اعلم** صلی اللہ تعالی علیہ و آلہ وسلم

**کتبـــــــــــــــــــــہ**

**المتخصص فی الفقہ الاسلامی**

**ابو محمد محمد سرفراز اختر عطاری**

**09صفر المظفر 1442ھ/27ستمبر 2020ء**

**الجواب صحیح**

**مفتی فضیل رضا عطاری**

# وراثت میں کوئی وارث اپنا حصہ چھوڑنا چاہے، تو کیا چھوڑ سکتا ہے؟

ریفرنس نمبر:FMD-2865 تاریخ:11-03-2022

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کوئی وارث وراثت میں سے اپنا حصہ اپنی خوشی سے معاف کر دے، تو کیا اس کا حصہ ساقط ہو جائے گا؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

وراثت اللہ عزوجل کی طرف سے مقرر کردہ جبری ولازمی حق ہے۔ وارث، مُورِث کے فوت ہوتے ہی اس حق وحصہ شرعی کا مالک ہو جاتا ہے اور یہ ملکیت معاف کرنے سے ساقط نہیں ہو سکتی، اگرچہ وارث (جیسے بیٹی یا بیٹا وغیرہ) اپنی خوشی سے معاف کر دے یا کہہ دے کہ مجھے وراثت میں سے اپنا حصہ نہیں چاہئے، اس کی یہ بات قبول نہیں کی جائے گی اور اسے اس کا حصہ لازماً دلایا جائے گا۔

البتہ شرعی طریقہ کار کے مطابق وراثت کی تقسیم کرنے اور اپنے حصہ پر قبضہ کر لینے کے بعد اگر کوئی وارث اپنا حصہ کسی کو ہبہ (گفٹ) کرنا چاہے، تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ واہب (یعنی تحفہ دینے والا) موہوب (یعنی تحفۃً دی گئی) چیز پر موہوب لہٗ (یعنی جسے تحفۃً دی گئی ہے، اس) کو کامل قبضہ دلا دے، کیونکہ کامل قبضے کے بغیر ہبہ مکمل نہیں ہوتا، لہذا جس جس کو جتنا مال ہبہ کرنا چاہے، اس کی تعیین وتقسیم کر کے موہوب لہ کو کامل قبضہ دلا دے، تو ہبہ درست ہو جائے گا۔ ہاں جو چیز قابلِ تقسیم نہ ہو، اس کا ہبہ تقسیم کے بغیر بھی جائز ہے۔

**ترکہ تقسیم کرنے کے بعد اپنا حصہ ہبہ کرنے کے علاوہ ایک آسان صورت صلح وتخارج کی بھی ہے۔**

وہ یہ کہ وارث تقسیمِ ترکہ سے پہلے اَموالِ ترکہ میں سے کوئی معین چیز لے کر اس کے عوض اپنے حق سے دستبردار ہو جائے، خواہ وہ چیز مالیت میں اس کے حصہ ٔوراثت کے برابر ہو یا کم ہو یا زیادہ ہو اور تمام ورثاء عاقل بالغ ہوں اور سب ہی اس پر متفق بھی ہوں۔ اس طریقے سے بھی کوئی وارث معین چیز لے کر وراثت سے دستبردار ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد ترکہ باقی تمام ورثاء کے مابین

ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کردیا جائے گا۔

**حق وراثت معاف کرنے سے معاف نہیں** ہوتا، چنانچہ الاشباہ والنظائر میں ہے:"لو قال الوارث ترکت حقی لم یبطل حقہ اذ الملك لا یبطل بالترک" یعنی اگر وارث نے کہا کہ میں نے اپنا حق چھوڑ دیا، تو اس کا حق باطل نہیں ہوگا، کیونکہ ملکیت چھوڑ دینے سے باطل نہیں ہوتی۔" (الاشباہ والنظائر، الفن الثالث، ج1، ص309، کراچی)

اس کے تحت غمز عیون البصائر میں ہے:"اعلم أن الاعراض عن الملك أو حق الملك ضابطه أنه ان كان ملكاً لازماً لم يبطل بذلك كما لو مات عن ابنين فقال أحدهما: تركت نصيبي من الميراث، لم يبطل لأنه لازم لا يترك بالترك" جان لو کہ ملکیت یا حق ملکیت سے اعراض کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر وہ لازم ملکیت ہو، تو اعراض کرنے سے وہ باطل نہیں ہوگی، جیسے اگر کوئی شخص دو بیٹے چھوڑ کر فوت ہو، تو ان دونوں بیٹوں میں سے ایک کہے: میں نے میراث میں سے اپنا حصہ چھوڑ دیا، تو اس کا حصہ باطل نہیں ہوگا، کیونکہ وہ ایسا لازم حق ہے جو چھوڑ دینے سے ترک نہیں ہوتا۔

(غمز عیون البصائر، ج2، ص389،388، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، کراچی)

سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ رضویہ میں ارشاد فرماتے ہیں:"میراث حق مقرر فرمودہِ رب العزۃ جل وعلا ہے، جو خود لینے والے کے اسقاط سے ساقط نہیں ہو سکتا، بلکہ جبراً دلایا جائے گا، اگرچہ وہ لاکھ کہتا رہے مجھے اپنی وراثت منظور نہیں، میں حصہ کا مالک نہیں بنتا، میں نے اپنا حق ساقط کیا، پھر دوسرا کیوں کر ساقط کر سکتا ہے۔"

(فتاوی رضویہ، ج18، ص168، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

**ہبہ کامل قبضے سے مکمل ہوتا ہے**، چنانچہ تنویر الابصار و در مختار میں ہے:"(وتتم) الهبة (بالقبض) الكامل" یعنی ہبہ کامل قبضے سے مکمل ہوتا ہے۔ (تنویر الابصار والدر المختار، ج8، ص573، کوئٹہ)

امام علاء الدین ابو بکر الکاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"لا تجوز هبة المشاع فيما يقسم وتجوز فيما لا يقسم" یعنی مشاع قابلِ تقسیم چیز کا ہبہ (تقسیم سے قبل) جائز نہیں اور وہ چیز جسے تقسیم نہ کیا جا سکتا ہو (یعنی تقسیم کے بعد قابلِ انتفاع نہ رہے) ایسی چیز کا ہبہ تقسیم کے بغیر بھی جائز ہے۔" (بدائع الصنائع، ج8، ص96، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

سیدی اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ قابلِ تقسیم چیز کے ہبہ کے بارے میں فرماتے ہیں:"شے مشترک کہ صالح تقسیم کا ہبہ قبل تقسیم ہرگز صحیح نہیں اور اگر یوں ہی مشاعاً یعنی بے تقسیم موہوب لہ کو قبضہ بھی دے دیا جائے، تاہم وہ شے بدستور ملک واہب پر رہتی ہے، موہوب لہ کا اصلاً کوئی استحقاق اس میں ثابت نہیں ہوتا، نہ وہ ہرگز بذریعہ ہبہ اس کا مالک ہو سکے

جب تک واہب تقسیم کر کے خاص جزء موہوب معین محدود و ممتاز جداگانہ پر قبضہ کاملہ نہ دے۔"

(فتاوی رضویہ، ج19، ص207، رضافاؤنڈیشن، لاھور)

**وراثت سے اپنے حصہ سے دستبرداری سے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:** "حق میراث، حکم شرع ہے کہ رب العالمین تبارک وتعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے، کسی کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوسکتا۔قال علمائنا کما فی الاشباہ وغیرہ: "الارث جبری لا یسقط بالاسقاط" اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ بیٹا مثلاً: اپنے باپ کا اس لیے وارث ہوتا ہے کہ یہ اس کا بیٹا ہے، تو جس طرح یہ اپنے بیٹے ہونے کو نہیں مٹا سکتا، یونہی اپنے حقِ میراث کو نہیں ساقط کر سکتا۔پس امداد حسن خان (سیدی اعلیٰ حضرت سے کیے گئے سوال میں مذکور اپنے حقِ وراثت سے دستبردار ہونے والا وارث) کا ترکۂ متوفیٰ سے دستبردار ہونا ہرگز معتبر نہیں اور وہ اس وجہ سے زنہار کالعدم (ہرگز معدوم) نہیں ہوسکتا، اگرچہ لاکھ بار دستبرداری کرلے، شرع تسلیم (قبول) نہ فرمائے گی اور اسے اس کے حصہ کا مالک ٹھہرائے گی، ہاں اگر اسے لینا منظور نہیں، تو یوں کرے کہ **لے کر** اپنی بہن خواہ بھاوج خواہ جسے چاہے ہبہ کامل کردے اور جو مال قابلِ تقسیم ہو اسے منقسم کر کے قبضہ دلادے اس وقت البتہ اس کا حق منتقل ہوجائے گا، ورنہ مجرد دستبرداری کچھ بکار آمد (کسی کام کی) نہیں۔"

(فتاویٰ رضویہ، ج26، ص133، رضافاؤنڈیشن، لاھور)

**تخارج سے متعلق** بہارِ شریعت میں ہے: "اس (تخارج) سے مراد یہ ہے کہ وارثوں میں کوئی یا قرض خواہوں میں سے کوئی تقسیم ترکہ سے پہلے میت کے مال میں سے کسی معین چیز کو لینا چاہے اور اس کے عوض اپنے حق سے دستبردار ہوجائے، خواہ وہ حق اس چیز سے زائد ہو یا کم اور اس پر تمام ورثہ یا قرض خواہ متفق ہوجائیں، تو اس کا نام فقہ کی اصطلاح میں "تخارج" یا "تصالح" ہے۔"

(بہار شریعت، ج3، ص1151، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــــــــــہ

مفتی فضیل رضا عطاری

07شعبان المعظم1443ھ/11مارچ2022ء